حکمت القرآن

تالیف

مولانا حافظ محمد تقی صاحب امینی

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

باہتمام عمید الرحمن عثمانی

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

سلسلہ نمبر ۱۴۷

حکمت القرآن

تالیف

مولانا حافظ محمد تقی صاحب امینی

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

باہتمام عمید الرحمن عثمانی

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

طبع اوّل عکسی

رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ مطابق مئی ۱۹۸۶ء

طباعت ۔ گیارہ سو ۱۱۰۰

قیمت عمدہ ریگزین .... اٹھائیس ۲۸ روپے ۔

کتابت : محمد ابوالحسنات صدیقی ۔

مطبوعہ : گلوب آفسیٹ پرنٹرز دہلی ۶

فہرست مضامین

مقدمہ

قرآن حکیم اللہ رب العزت کی کتاب ہے اس کی عظمت و بڑائی اور گیرائی اور گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے اس کی یہ نسبت ہی کافی ہے ۔

قرآن حکیم کتاب فطرت ہے ۔ انسان سماج اور کائنات ہر ایک کی فطرت کا اس میں تذکرہ ہے کسی کا تفصیلی اور کسی کا اجمالی ۔

قرآن حکیم علم و حکمت کا بحر بیکراں ہے اس کے گوہر آبدار تک رسائی کے لیے ضروری علوم کے علاوہ اس میں ڈوبنے اور مسلسل ڈوبے رہنے کی ضرورت ہے ۔

قرآن حکیم میں کئی مقام پر لفظ حکمت استعمال کیا گیا ہے اپنی بساط کے مطابق جس قدر سمجھنے کی کوشش کی اس سے اندازہ ہوا کہ یہ لفظ کہیں حکمت کے مفہوم کہیں حکمت کا درجہ اور کہیں حکمت کے اثر میں استعمال ہوا ہے ۔ کتاب میں تینوں مقام کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی قرآنی حکمت کے لیے انسان سماج اور کائنات کے مطالعہ کا مختصر تذکرہ ہے ۔

یہ کام اس راہ کے شہسواروں کے مقابلہ میں کتنے ہی درجہ کم سہی لیکن اس بے بضاعت نے جتنا بھی کیا وہ محض اللہ کی توفیق کا نتیجہ اور اس کے فضل و کرم کا ثمرہ ہے اس بنا پر دوسروں کی نظر میں قابل قدر ہو نہ ہو اپنی نظر میں قابل قدر ہے ۔

راقم الحروف نے مختلف دینی موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں وہ کتابیں علم و تحقیق کے لحاظ سے کس درجہ اور کس پایہ کی ہیں اس کے فیصلہ کا مجھے کوئی حق نہیں ہے ان میں کس قدر خلوص و دل کی سچائی شامل ہے اس کے فیصلہ کی اصل مستحق وہ عدالت ہے جو دل کے رازوں سے واقف ہے ۔ خطرہ بہرحال ہے کہ عدالت عالیہ کے سامنے کتابیں کھول کر رکھ دی جائیں اور عدالت خود مدعی بن کر سوال کرے کہ بتاؤ

ان میں میرے لیے کتنا ہے اور نام ونمود وشہرت کے لیے کتنا ہے؟ خلوص ودل کی سچائی کا معاملہ حد درجہ نازک ہے جب جاہ وشہرت ہمارے دینی کاموں کو کس کس طرح داغ دار بنادیتی ہے اس کو سمجھنے کے لیے ازگی حکمت بیکار ہے ایمانی حکمت درکار ہے۔

ان کتابوں کے بارے میں یہ اظہار رائے شاید بیجا جسارت نہ قرار پائے کہ ان میں جدید ذہن و فکر کے لحاظ سے جدید دور میں دینی علم وتحقیق کا نیا رُخ متعین کرنے کی جدوجہد ہے جدید مسائل حل کرنے کے لیے نیا انداز دینے اور بعض مسائل حل کرکے دکھانے کی کوشش ہے اگرچہ اس کام کی قدردانی کا دائرہ ابھی محدود ہے اور مارکیٹ میں اس کی قیمت نہ لگنے کے برابر ہے لیکن جو کام اپنی بساط سے زیادہ ہو اور تمام تر فضل رب کا مرہون منت ہو اس کے بارے میں قیمت کی بات سوچنا نہ صرف یہ کہ اس کام کی توہین ہے بلکہ شاید اس معاہدہ (UNDER STOOD) کی بھی خلاف ورزی ہے جو ایسے موقع پر اللہ اور بندہ کے درمیان ہوتا ہے۔

حکمت القرآن غالباً آخری کتاب ہے اب کوئی نئی کتاب شروع کرنے کا سردست ارادہ نہیں ہے بس اللہ کے حضور بصد عجز وزاری درخواست ہے کہ اپنی سب سے بڑی اور آخری کتاب کی خدمت پر لگائے رکھے اور آسان زبان میں اس کی تعلیمات وہدایات کو واضح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔
وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

محمد تقی امینی
۸ر جنوری ۱۹۸۴ء

محمد تقی امینی۔ ادارہ علم عرفان۔ امینی منزل
دودھ پور روڈ۔ علی گڈھ

حکمت کا مفہوم

حکمت - مصالح و مقاصد کا وہ برتر نظام ہے جو ابتدائے آفرینش سے انسان - سماج اور کائنات میں ملحوظ ہے اور جس کی حفاظت و بقاء اور ارتقاء کے لیے اللہ کی طرف سے ہدایتوں اور نبیوں کا سلسلہ جاری کیا گیا، دراصل یہی مصالح و مقاصد قرآنی آیات کی بنیادیں ہیں اور انھیں کے لحاظ سے

حکمت کا خزانہ

قرآن حکیم **حکمت کا خزانہ** ہے جس میں درجۂ حکمت پر فائز حکیم ڈوب کر اپنی استعداد کے مطابق اپنے دائرہ کی موتی نکال کر لاتا ہے اور قرآنی آیات کو فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ثابت کرتا ہے جس سے ایک طرف نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کو رہنمائی ملتی ہے اور دوسری طرف ماضی و حال کا رشتہ منقطع نہیں ہونے پاتا ہے قرآن کی صفت "حکیم" خود اللہ نے بیان کی ہے جس سے اس کے خزانۂ حکمت کا ثبوت ملتا ہے۔

وَالقرآن الحکیم [۱] — قسم ہے قرآن حکیم کی۔

تلک آیات الکتاب الحکیم [۲] — یہ کتاب حکیم کی آیتیں ہیں۔

حکمت کی تعلیم

درجۂ حکمت پر فائز صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کی تعلیم دیتے تھے جیساکہ مختلف آیتوں میں کتاب کی تعلیم کے ساتھ حکمت کی تعلیم کا بھی ذکر ہے۔

ویعلمھم الکتب والحکمۃ [۳] — اللہ کا رسول ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

لیکن حکمت کی تعلیم کا طریقہ کیا تھا۔؟ اور حکمت کے نام سے آپ کس چیز کی تعلیم دیتے تھے۔؟ دونوں پر کسی قدر گفتگو کے بعد ہی حکمت کا مفہوم واضح ہو سکے گا۔

---

[۱] یٰسٓ آیت ۲ [۲] یونس و لقمان، آیت ۲ [۳] البقرہ، آیت ۱۲۹ و آل عمران، آیت ۱۶۴ و جمعہ، آیت ۲۔

طریقۂ تعلیم پر قطعی گفتگو مشکل ہے، قرآن حکیم میں اس کی تعلیم کا ذکر واؤ عطف کے ذریعہ کتاب کے ساتھ ملایا گیا ہے جس سے یہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ علیحدہ سے کسی کورس و کلاس کا انتظام نہ تھا بلکہ کتاب کے ساتھ ہی اس کی بھی تعلیم ہو جاتی تھی۔ جس کی دو شکلیں سمجھ میں آتی ہیں۔

تعلیم کی دو شکلیں | (۱) ذہنی و فکری اور
(۲) قولی و عملی

ذہنی و فکری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی حکمت کے لیے درجۂ حکمت پر فائز صحابہ کو ذہنی و فکری طریقۂ رسائی (Approach) دیتے تھے کہ جس کے ذریعہ وہ آیتوں کی گہرائیوں اور باریکیوں تک پہنچتے اور ان کے مصالح و مقاصد تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ کسی ماہر فن سے روشن دماغ و طباع شاگرد جو اصل شی حاصل کرتا ہے وہ استاد کا ذہنی و فکری طریقۂ رسائی (Approach) ہی ہوتا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنے فن میں یگانۂ روزگار بنتا ہے۔

قولی و عملی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قول و عمل کے ذریعہ آیات کی جو تشریح و توضیح فرماتے وہ درجۂ حکمت پر فائز صحابہؓ کے لیے "خاصہ" کی چیز ہوتی تھی اس کے ذریعہ نہ صرف وہ حکمت (مصالح و مقاصد) کے طرق استدلال و استنباط تک رسائی حاصل کرتے بلکہ فطرت کی نبض شناسی بھی کرتے تھے کسی ماہر طبیب سے اس کے ذہین و فہیم شاگرد صرف دواؤں اور غذاؤں کے خواص و اثرات ہی نہیں حاصل کرتے بلکہ مرض کی تشخیص کا طریقہ (نبض شناسی) بھی حاصل کرتے ہیں کہ اس کے بغیر تشخیص و تجویز میں مطابقت نہیں پیدا ہوتی جو طبیعت میں قوت مدافعت پیدا کر کے صحت بحال کر سکے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

آیتوں سے استدلال | وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون۔ [لہ]

ہم نے آپ پر الذکر (قرآن) اتارا کہ جو لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔ آپ ان کے سامنے بیان کر دیں تاکہ وہ خود غور و فکر کریں۔

غور و فکر کا ذکر بیان کے بعد ہے جس میں تعلیم حکمت کے دونوں طریقے شامل ہو سکتے ہیں وہ "بیان" جو ایک شعور دوسرے شعور کو یا ایک ذہن دوسرے ذہن کو منتقل کرتا ہے وہ اس بیان سے کم نہیں ہوتا جو قول و

لہ النحل، آیت ۴۴۔

فعل کے ذریعہ منتقل کیا جاتا ہے بلکہ اس سے زیادہ ہی ہوتا ہے بیان کے بعد انھیں کے غور و فکر ثمرۂ حکمت تک پہنچانے والا ہو گا جو درجۂ حکمت پر فائز ہوں گے اور استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔

ولو ردوہ الی الرسول والی الامر لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم[1]

اگر اس کو اللہ کے رسولؐ اور اہل علم تک پہنچا دیتے تو ان میں جو استنباط کرنے والے ہیں وہ اس کو سمجھ جاتے۔

چونکہ استنباط کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں اس بنا پر محققینؒ کے نزدیک کسی موضوع سے متعلق قرآنی آیتوں کی مقدار حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے جس میں ذہنوں، طبیعتوں حالتوں اور ضرورتوں کے لحاظ سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے چنانچہ ابن دقیق العیدؒ کہتے ہیں:

مقدار آیات الاحکام لا ینحصر فی ھذا العدد بل ھو یختلف باختلاف القرائح والاذھان وما نفحۃ اللہ من وجوہ الاستنباط والراسخ فی علوم الشریعۃ یعرف ان من اصولھا واحکامھا ما یؤخذ من موارد متعددۃ حتی الایات الواردۃ فی القصص والامثال[2]

آیات احکام کی مقدار اس عدد (دو سو، پانچ سو یا کچھ زیادہ) میں محدود نہیں ہے بلکہ طبیعتوں اور ذہنوں کے اختلاف سے مقدار مختلف ہوتی ہے جن حضرات پر اللہ نے استنباط کے طریقوں کے دروازے کھولے اور جن کو شرعی علوم میں رسوخ حاصل ہے وہ جانتے ہیں کہ بہت سے اصول و احکام متعدد جگہوں سے حاصل ہوتے ہیں حتی کہ ان آیتوں سے بھی جو قصص و امثال میں وارد ہوتی ہیں۔

پھر قرآن حکیم میں ہے:

انزل اور تجلی سے استدلال

وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ[3]

اللہ نے آپؐ پر کتاب اور حکمت اتاری۔

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیت اللہ والحکمۃ[4]

اور یاد کرو جو اللہ کی آیات اور حکمت تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں۔

ان آیتوں میں کتاب کے ساتھ حکمت اتارے جانے اور آیتوں کے ساتھ حکمت پڑھی جانے کا ذکر ہے۔

---

[1] النساء، آیت ۸۳۔ [2] ملال فاسی۔ مقاصد الشریعۃ للاسلامیہ القرآن۔ [3] النساء، آیت ۱۱۳۔ [4] الاحزاب آیت ۳۴۔

حالانکہ کتاب کے علاوہ نہ اور کوئی چیز اتاری گئی اور نہ کسی اور چیز کے پڑھے جانے کا معمول تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمت کتاب ہی میں شامل ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی معنویت سے سنت کی شکل میں حکمت حاصل کی جس کو "سند" کا درجہ حاصل ہے صحابۂ کرام اور بعد کے اہل حضرات نے دونوں کی معنویت سے حکمت حاصل کر کے دین و شریعت کو زندہ جاوید بنایا اور ان میں رہنمائی کی دائمی صلاحیت کا ثبوت فراہم کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں ہے:

فکان عمر یجتهد فی تعرف الحکمة التی نزلت فیها الآیة و یحاول معرفة المصلحة التی جاء من اجلها الحدیث و یاخذ بالروح لا بالحرف [1]	حضرت عمرؓ اس حکمت کی تلاش میں سرگرداں رہتے جس میں آیت نازل ہوئی اور اس مصلحت کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے جس کی وجہ سے حدیث وارد ہوئی ہے اور روح و مغز کو لیتے الفاظ پر اکتفا نہ کرتے تھے۔

حکمت کا وسیع مفہوم

حکمت میں اخفاء ہوتا ہے اس کا انضباط مشکل ہوتا ہے اس بناء پر کسی ایک تعریف میں اس کو سمیٹا نہیں جا سکتا ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ ائمۂ لغت و مفسرین کے لیے اس کی مختلف تعریفیں اور تعبیریں منقول ہیں جن سے اس کے مفہوم کی وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔

چیزوں کی حقیقتوں کی معرفت حاصل کرنا۔	معرفة الاشیاء بحقائقها۔ [2]
حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنا۔	الفصل بین الحق و الباطل [3]
قول و عمل میں صحیح رائے تک پہنچنا۔	الاصابة فی القول والعمل [4]
حق تک علم و عقل کے ذریعہ پہنچنا۔	اصابة الحق بالعلم والعقل [5]
بہترین علم کے ذریعہ افضل اور بہتر چیزوں کی معرفت حاصل کرنا۔	عبارة عن معرفة افضل الاشیاء بافضل العلوم۔ [6]
حق کی معرفت اور قول و عمل میں درستی کو پہنچنا۔	انها معرفة الحق والعمل به والاصابة فی القول والعمل [7]

---

[1] [2] [3]۔ علاء الدین علی تفسیر خازن آیت ۸۶ و قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری، آیت ۴۷۔

[4] راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن۔

[5] ابن منظور لسان العرب۔ [6] ابن قیم۔ مدارج السالکین و تفسیر ابن قیم و انزل اللہ علیک الکتب والحکمة (النساء آیت ۸۳)

[7] رشید رضا مصری تفسیر المنار ۱ ۴۷۲

ہر چیز میں اس کے اسرار اور فائدہ کی معرفت	فھی فی کل شی معرفۃ سرہ و فائدتہ [۱]
وہ علم و عمل ہے آدمی اس وقت تک حکیم نہیں بنتا جب تک ان دونوں کو جمع نہ کرے۔	ھی العلم والعمل ولا یکون الرجل حکیما حتی یجمعھما [۲]
دین کی معرفت دین کی سمجھ اور اس کا اتباع	المعرفۃ فی الدین والفقہ فی الدین والاتباع لہ [۳]
اللہ کی صفت حکمت اشیاء کی معرفت اور ان کی ایجاد ہے اور انسان کی صفت حکمت موجودات کی معرفت اور بھلائیاں کرنا ہے۔	فالحکمۃ من اللہ تعالیٰ معرفۃ الاشیاء وایجادھا ومن الانسان معرفۃ الموجودات وفعل الخیرات [۴]
وہ قرآن کا علم ہے۔	ھی علم القرآن [۵]
وہ قرآن کی حقیقتوں کا سمجھنا ہے۔	ھی فھم حقائق القرآن [۶]

ان تعریفوں اور تعبیروں سے ظاہر ہے کہ حکمت کے مختلف گوشے اور مختلف پہلو ہیں کسی ایک میں نہ ان کو سمیٹا جا سکا ہے اور نہ کوئی ایسی جامع تعریف و تعبیر ممکن ہو سکی ہے جو سب کو حاوی ہو۔

حکمت کی تعلیم مصالح و مقاصد کی تعلیم تھی

رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کے نام سے کس چیز کی تعلیم دیتے تھے تو ہمارے خیال میں یہ ان مصالح و مقاصد کی تعلیم تھی جو انسان۔ سماج اور کائنات میں ابتدائے آفرینش سے ملحوظ ہیں اور جو ہدایت الٰہی کی بنیاد بنتے رہے ہیں۔ اس کے ثبوت کے لیے دو قسم کی آیتوں میں خاص طور سے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

(۱) وہ جن کا انداز بیان حکمت کو شامل ہے۔

(۲) وہ جن میں صراحۃً حکمت کا تذکرہ ہے۔

آیتوں کے انداز بیان سے استدلال

پہلی سے متعلق چند آیتیں یہ ہیں:

(۱) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت	اب میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو

---

[۱] رشید رضا مصری تفسیر المنار ج ۱ ص ۲۷۴۔ [۲] بغوی معالم التنزیل حاشیہ خازن ج ۱ ص ۹۵۔ [۳] تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۴۱۵۔ [۴] [۵] [۶] ایضاً

لکم الاسلام دینا۔[1] دین کی حیثیت سے پسند کیا۔

یہ اسی دین کی تکمیل ہے جس کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہوا تھا اور اس کی تکمیل کا مژدہ اس وقت سنایا گیا جب کہ انسان کی شعوری سطح اس کی متحمل ہو گئی یعنی اس میں اس درجہ پختگی توانائی اور خود اعتمادی نمودار ہو گئی کہ اپنے حالات و معاملات میں بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت نہ رہی اور یہ اسی نعمت کا اتمام ہے جس کی ابتدا غار حرا کی پہلی وحی سے ہوئی تھی اور ۲۳ سال کی مدت میں بتدریج اتمام کو پہنچی۔

ظاہر ہے کہ جس دین کی تاریخ اتنی قدیم ہو اور جس نعمت کا اتمام بتدریج ہوا ہو اس کے ہر ہر گوشہ اور ہر ہر شوشہ میں حکمت پیوست ہو گی اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔

والحق ان القرآن کتاب حکمۃ لا کتاب احکام[2] حق یہ ہے کہ قرآن حکمت کی کتاب ہے نہ کہ احکام کی کتاب

قرآن میں جس قدر احکام ہیں وہ بطور نمونہ ہیں کہ ان میں جس قدر مصالح و مقاصد (حکمت) ملحوظ ہیں ان کو سمجھ کر ان کی روشنی میں مزید خود استنباط کا سلسلہ جاری رہے اور اس کے ذریعہ نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کو رہنمائی ملتی رہے دین کی تکمیل اور نعمت کے اتمام کا اعلان بجائے خود مصالح و مقاصد (حکمت) کے باب میں کافی اہم ہے۔ چنانچہ اس آیت کے بارے میں ہے۔

فدخل فی ھذا جمیع مصالح العباد الدینیۃ والدنیویۃ علی وجہ الکمال۔[3] اس میں بندوں کی دینی و دنیوی مصلحتیں کامل طریقہ پر داخل ہیں۔

(۲) وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین[4] اے پیغمبرؑ ہم نے آپ کو محض اس لیے بھیجا ہے تاکہ رحمت عامہ کا ظہور ہو۔

رحمت عامہ کا ظہور بجائے خود مصالح و مقاصد (حکمت) کی حفاظت کا ضامن ہے اور ہدایت الٰہی کی بنیاد ہے۔

(۳) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔[5] بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

کلام عرب میں عدل و احسان کے لفظ نہایت جامع ہیں اسی بنا پر اس آیت کو مصالح کے حصول

---

[1] المائدہ آیت ۳۔ [2] امینی۔ الفکر السیاسی فی القرآن۔ [3] ابن فرحون۔ تبصرۃ الحکام فی القضایا بالسیاسۃ الشرعیۃ۔
[4] الانبیاء آیت ۱۰۷۔ [5] النحل، آیت ۹۰۔

اور مضرت کے دفعیہ کے باب میں نہایت جامع کہا گیا ہے[۱] اور بے شمار احکام کی بنیاد تسلیم کیا گیا ہے۔

دوسری سے متعلق چند آیتیں یہ ہیں۔

(۱) ولکم فی القصاص حیٰوۃ یاولی الالباب لعلکم تتقون[۲] — اے عقل والو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (موجب قصاص سے) بچتے رہو۔

صراحۃً حکمت کے تذکرہ سے استدلال — اللہ کی مصلحت (حکمت) زندگی کا حصول اور جان کی حرمت برقرار رکھنا ہے جس کے لیے قصاص (جان کے بدلہ جان لینا) کا حکم دیا گیا اس میں اگرچہ ایک شخص کی زندگی ختم ہوتی ہے اور اس کی جان کی حرمت پائمال ہوتی ہے لیکن چونکہ اس کے ذریعہ دوسروں کو زندگی حاصل ہوتی اور ان کی جان کی حرمت محفوظ ہو جاتی ہے اس بنا پر اس کو زندگی سے تعبیر کیا گیا کہ حصول زندگی اللہ کی حکمت ہے جو اس حکم کی بنیاد ہے اور حکم اس کی وہ شکل ہے جو وحی الٰہی نے تجویز کی ہے۔

(۲) علم اللّٰہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالئٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللّٰہ لکم[۳] — اللہ نے جانا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے تو اللہ نے تم پر توجہ فرمائی اور تم سے درگذر فرمایا اب تم بیویوں سے ملو اور اللہ نے تمہارے لیے جو مقدر کر رکھا ہے اس کے طالب ہو۔

اللہ کی مصلحت (حکمت) زندگی میں عدل و اعتدال پیدا کرنا ہے یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ حکم و احکام میں انسان کی خواہش۔ ضرورت اور ایک دوسرے کے حق کا لحاظ رکھا جائے۔ نہ تو اتنی سختی ہو کہ پیمانۂ ضبط لبریز ہو جائے اور نہ اتنی نرمی کہ حد اعتدال سے تجاوز کر جائے چنانچہ رمضان کے مہینہ میں دن کی طرح شب میں پابندی نہ رہ سکی کہ اس میں جائز خواہش کی پائمالی تھی اور نفس کے حق کا لحاظ نہ رہ گیا تھا جس کی وجہ سے ضبط و اعتدال پیدا کرنے کی مصلحت فوت ہو رہی تھی۔

(۳) والفتنۃ اکبر من القتل[۴] — فتنہ قتل سے زیادہ بڑا ہے۔

دوسری جگہ ہے:

والفتنۃ اشد من القتل[۵] — فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہے۔

---

[۱] القواعد للعز بن عبد السلام۔ [۲] البقرۃ آیت ۱۷۹ [۳] البقرہ آیت ۱۸۷ [۴] ایضاً آیت ۲۱۷ [۵] ایضاً آیت ۱۹۳۔

اللہ کی مصلحت (حکمت) فتنہ وفساد کا استیصال ہے چنانچہ اس کے پیش نظر ایک طرف اس نے بہت سے وہ احکام نازل فرمائے جن کے ذریعہ فتنہ وفساد پر پابندی لگتی ہے اور دوسری طرف اس نے جہاد کے آخری درجہ قتل و قتال تک کی اجازت دی پھر جہاد کے قوانین مرتب کر کے اور فی سبیل اللہ کی نیہ لگا کر واضح کر دیا کہ یہ جنگ محض فتنہ وفساد کے استیصال کا ذریعہ اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کا وسیلہ ہے اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہے۔

مذکورہ تصریحات سے واضح ہے کہ حکمت سے مراد اصلاً مصالح و مقاصد ہیں جو ہدایات الٰہیہ کی بنیاد ہیں اور جن کے پیش نظر انسان سماج اور کائنات کا ہر تصرف حکمت سے پُر ہوتا ہے۔

حکمت کا درجہ

درجۂ حکمت ذہنی و فکری استعداد کا وہ بلند مقام ہے جو عقل کی پختگی اور دل کی سچائی دونوں کا جامع ہوتا ہے۔ اس استعداد سے فہم کا جو درجہ وجود میں آتا ہے وہ درجۂ حکمت کہلاتا ہے اور اس کا ظہور جس شکل میں ہوتا ہے وہ ثمرۂ حکمت کہلاتا ہے قرآن حکیم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں دونوں (درجہ اور ثمرہ) کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے جس سے دونوں کے درمیان فرق سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔

واتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب [۱]	ہم نے داؤدؑ کو حکمت دی اور فیصلہ کن بات دی۔

یعنی ہم نے داؤدؑ کو حکمت کی استعداد سے نوازا اور اس کا ثمرہ قول فیصل کی شکل میں ظاہر ہوا۔

درجۂ حکمت کی تعریف

درجۂ حکمت کی یہ تعریف منقول ہے:

ھی اسم القوۃ الجامعۃ لرزانۃ العقل والرائ وشرافۃ الخلق الناشئۃ منھا۔ [۲]	وہ ایک قوت کا نام ہے جو عقل ورائے کی پختگی اور اس سے ابھرنے والی اخلاقی شرافت کو جامع ہو۔

ابن مسکویہؒ نے غالباً اسی درجہ کے اجزائے ترکیبی ذکاوت وذہانت سرعتِ فہم قوت فہم۔ ذہن کی صفائی عقل کی رسائی وغیرہ بیان کیے ہیں پھر اس کے بعد کہا ہے:

---

[۱] ص آیت ۲۰ [۲] عبدالحمید فراہی۔ مفردات القرآن۔

وبھذہ الاشیاء یکون حسن الاستعداد للحکمۃ[1] — اور انھیں کے ذریعہ حکمت کی حسن استعداد پیدا ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے وقّاد (روشن دماغ) اور سیّال[2] (نہایت طباع) سے اس درجہ کی تعبیر کی ہے یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جو تخلیقی ذہن وفکر کی نمائندگی کرتے ہیں توسیعی ذہن وفکر سے ان کی پوری ترجمانی نہیں ہوتی ہے۔

درجۂ حکمت کے لیے انتخاب

درجۂ حکمت کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بالخصوص منتخب کیا جاتا ہے پھر جس کو جس درجہ اور جس گوشہ میں ان حضرات سے مناسبت ہوتی ہے اس کے لحاظ سے وہ اس درجہ اور گوشہ سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔

فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتب والحکمۃ[3]	ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت عطا کی۔
واٰتاہ اللہ الملک والحکمۃ۔[4]	اللہ نے داؤدؑ کو ملک اور حکمت سے نوازا۔
ولقد اٰتینا لقمٰن الحکمۃ۔[5]	ہم نے لقمٰن کو حکمت دی۔
یُؤتی الحکمۃ من یّشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔[6]	اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی وہ خیر کثیر سے نوازا گیا۔

درجۂ حکمت کی بلندی

درجۂ حکمت قرآنی فہم کا نہایت اونچا مقام ہے۔ جس کا ثبوت قرآن حکیم کی ان آیتوں سے ہوتا ہے۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی کا ذکر ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں صلاحیتوں کی کمی بیشی کے لحاظ سے قرآنی فہم کے درجوں کی طرف ہی اشارہ ہے اور حکمت کو آخری درجہ قرار دیا گیا ہے۔

وہ درجے یہ ہیں:

(۱) تلاوت آیات ، ترجمہ و سرسری مطلب جان لینا

(۲) تعلیم کتاب ، مفہوم متعین کرکے اس کو برمحل منطبق کرلینا۔

(۳) تعلیم حکمت ، گہرائی و تہ تک پہونچ کر اسرار و رموز سے واقف ہونا۔

---

[1] ابن مسکویہ تہذیب الاخلاق، ص ۸۔ [2] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۔ [3] النساء آیت ۵۴۔ [4] البقرہ آیت ۲۵۱۔ [5] لقمان آیت ۱۲۔ [6] البقرہ آیت ۲۶۹۔

دراصل یہی وہ درجہ ہے کہ جس کے ذریعہ دین کی گہرائیوں اور باریکیوں کا علم ہوتا ہے قرآنی احکام کے مقصد اور ان کی علتوں تک رسائی ہوتی ہے انسانی اعمال کی خاصیتوں اور ان کے اثرات کی پہچان ہوتی ہے اور پھر ان سب کے ذریعہ دین وشریعت کی وہ ہمہ گیر تعبیر وتوجیہہ سامنے آتی ہے جو ہر دور وزمانہ میں ان کو زندہ جاوید بناتی ہے اور اخذ واستنباط کا وہ سلسلہ قائم ہوتا ہے جو نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ سے ربط وتعلق برقرار رکھتا ہے، اگر یہ درجہ نہ ہو تو دین وشریعت ایک دور زمانہ تک محدود ہوکر رہ جائیں اور ان کی ذہنی و فکری بالیدگی ختم ہو جائے کہ جس کے بغیر کوئی فکری وعملی نظام اپنے دائمی وجود کے لیے وجہ جواز نہیں مہیا کرسکتا ہے۔

ثبوت میں چند آیتیں

ان درجات کے ثبوت میں یہ آیتیں پیش کی جاتی ہیں، دعائے ابراہیمی میں ہے۔

ربنا وابعث فیہم رسولا منہم یتلوعلیہم ایٰتک ویعلمہم الکتب والحکمۃ ویزکیہم انک انت العزیز الحکیم [۱]

اے ہمارے پروردگار ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج جو ان کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک آپ غالب اور حکمت والے ہیں۔

انسان پر احسان عظیم کے تذکرہ میں ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولا منہم یتلوا علیہم آیٰتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ [۲]

بیشک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں ایک رسولؐ انہی میں سے بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے بلاشبہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اللہ کی صفات بروئے کار لانے کے ذکر میں ہے:

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم آیٰتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ [۳]

اللہ ہی نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

---

[۱] البقرہ آیت ۱۲۹۔ [۲] آل عمران آیت ۱۶۴۔ [۳] جمعہ آیت ۲۔

اوپر اللہ کی چار صفتیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) الملک۔ وہ حقیقی فرمانروا ہے اس لیے ہدایات و فرامین بھیجتا ہے۔

(۲) القدوس۔ وہ پاک و صاف ہے اس لیے پاکی و صفائی (تزکیہ) کا حکم دیتا ہے۔

(۳) العزیز۔ وہ غلبہ والا ہے اس لیے قانون و شریعت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۴) الحکیم۔ وہ حکمت والا ہے اس لیے اس کی تعلیم حکمت سے پُر ہوتی ہے۔

درجۂ حکمت اور تزکیہ

مذکورہ آیتوں میں لفظ "ویزکیھم"، (اللہ کا رسول ان کا تزکیہ کرتا ہے) بھی ہے جس کا مادّہ "زکاۃ" ہے۔

الزکاء النماء والریع۔ [۱] — زکاء کے معنی بڑھنا اور تر و تازہ ہونا۔

اصل الزکاء النمو الحاصل عن برکۃ اللہ۔ [۲] — زکاء کی اصل وہ بڑھوتری ہے جو اللہ کی برکت سے حاصل ہو۔

اسی مناسبت سے تزکیۂ نفس کے یہ معنی بیان کیے جاتے ہیں۔

تنمیتھا بالخیرات والبرکات۔ [۳] — نفس کو بھلائیوں اور برکتوں کے ذریعہ ترقی دینا۔

یہ لفظ (ویزکیھم) آل عمران اور جمعہ میں قرآنی فہم کے پہلے درجہ تلاوت آیات کے بعد ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی مزاج کے لحاظ سے اس کے فہم کے ہر درجہ میں تزکیہ ضروری ہے لیکن سورۂ بقرہ دعائے ابراہیمی میں یہ لفظ قرآنی فہم کے آخری درجۂ حکمت کے بعد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے لیے خاص قسم کا تزکیہ مطلوب ہے۔

درجۂ حکمت اور تقویٰ

پھر درجۂ حکمت اس شعور (قوت۔ استعداد) میں پیوست ہوتا ہے جو عقل و قلب دونوں سے مل کر وجود میں آتا ہے اس کے لیے وہ شعور کافی نہیں ہے جو تنہا عقل کی راہ سے حاصل ہوتا ہے اسی بناء پر حکمت کی تعریف میں عقل کی پختگی اور دل کی سچائی دونوں شامل ہیں ظاہر ہے کہ یہ شعور تقویٰ کے بغیر نہیں حاصل ہوتا ہے قرآن حکیم میں ہے۔

یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ [۴] — اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت عطا ہوئی وہ خیر کثیر سے نوازا گیا۔

---

[۱] ابن منظور۔ لسان العرب ج ۱۴۔ [۲] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن۔ [۳] ایضاً۔ [۴] البقرہ آیت ۲۶۹۔

یہ آیت بندوں پر خرچ کرنے اور اس راہ کے شیطانی وساوس سے بچنے کی تاکید کے بعد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درجہ کو بروئے کار لانے کے لیے اللہ کے بندوں کے ساتھ شفقت و محبت اور ان کے ساتھ ہمدردی، عالی ظرفی و فراخ حوصلگی کو خاص طور پر اہمیت ہے۔ دوسری جگہ ہے:

یا یھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا۔ [1]

اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہارے لیے فیصلہ کی قوت نمایاں کر دے گا۔

آیت میں تقویٰ کا ثمرہ فرقان (حق و باطل فیصلہ کی قوت) ہے جو درجۂ حکمت کا بھی ثمرہ ہے۔

علامہ زرکشیؒ کہتے ہیں:

انہ لا یحصل للناظر معانی الوحی ولا یظھر لہ اسرارہ وفی قلبہ بدعۃ او کبر او ھوی او حب الدنیا او ھو مصرّ علی ذنب او غیر متحقق بالایمان او ضعیف التحقق او یعتمد علی قول مفسر لیس عندہ علم او راجع الی معقولہ وھذہ کلھا حجب۔ [2]

جس شخص کا دل بدعت، کبر و غرور خواہش نفس کی پیروی اور دنیا کی محبت میں مبتلا ہو یا گناہوں پر اصرار کرنے والا ہو یا اس کا ایمان مضبوط نہ ہو یا شک میں مبتلا ہو یا بے علم مفسر پر اعتماد کرتا ہو یا اپنی عقل ہی کو سب کچھ سمجھتا ہو یہ سب باتیں حجاب ہیں ایسے شخص پر وحی الٰہی کے اسرار و رموز نہیں کھلتے ہیں۔

تزکیہ و تقویٰ کا اونچا معیار

مذکورہ تصریحات سے ظاہر ہے کہ جس طرح درجۂ حکمت قرآن فہمی کا اونچا مقام ہے اسی طرح اس کی مناسبت سے اس کے لیے تزکیہ و تقویٰ کا معیار بھی اونچا ہے اس کا ثبوت ان حضرات کی زندگی سے بھی ملتا ہے جو اس درجہ پر فائز ہوتے ہیں بالخصوص حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی سے جو اس درجہ کے سرخیل و گل سرسبد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں میں بھی اونچے معیار کی طرف اشارہ ہے۔

ما زھد عبد فی الدنیا الا انبت اللہ الحکمۃ فی قلبہ الخ [3]

جس بندہ نے دنیا میں زہد اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت اگائے گا۔

دوسری جگہ ہے:

---

[1] الانفال۔ آیت ۲۹۔ [2] السیوطی۔ الاتقان ج ۲ ص ۱۸۲۔ [3] مشکوٰۃ کتاب الرقاق۔

اذا رأیتم العبد یعطی زھدا فی الدنیا وقلۃ منطق فاقتربوا منہ فانہ یلقی الحکمۃ ۔ ؎۱

جب کسی بندہ کو دیکھو کہ اس کو دنیا میں زہد عطا کیا گیا ہے اور بولتا کم ہے تو اس کی صحبت اختیار کرو اس میں حکمت کا القا ہوتا ہے۔

زہد کے معنیٰ نہ ترک دنیا ہے اور نہ حلال کو اپنے اوپر حرام کرنا اور نہ مال ضائع کرنا ہے بلکہ دنیا سے دل نہ لگانا اس کو مقصود نہ بنانا اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح نہ دینا ہے۔ جیسا کہ زہد کے امام حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہ تفسیر منقول ہے جو روایت کے لحاظ سے اگرچہ کمزور ہے لیکن قرآنی تعلیم و مزاج کے مطابق ہے۔

الزھادۃ فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا باضاعۃ المال ولکن الزھادۃ فی الدنیا ان لا تکون بما فی یدیک اوثق مما فی ید اللہ وان تکون فی ثواب المصیبۃ اذا انت اصبت بھا ارغب لو انھا ابقیت لک ۔ ؎۲

دنیا میں زہد اختیار کرنے حلال کو حرام سمجھنا اور مال ضائع کرنا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ زیادہ قابل وثوق ہو بہ نسبت اس کے جو تیرے پاس ہے اور یہ ہے کہ مصیبت پر جو ثواب ملتا ہے اگر وہ باقی رہتی ہے تو ثواب سے زیادہ رغبت ہو۔

حضرت امام مالکؒ سے صاحب حکمت کی جو علامت منقول ہے اس سے بھی مذکورہ بیان کی تائید ہوتی ہے۔

لکن علیہ علامۃ ظاھرۃ وھو التجافی عن دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود ۔ ؎۳

لیکن اس کی کھلی علامت دنیا سے دل نہ لگانا اور آخرت کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

تزکیہ وتقویٰ کے مواقع

تزکیہ وتقویٰ کے اس اونچے معیار کے مواقع کچھ تو اختیاری ہوتے ہیں کہ ان کو حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی کد وکاوش کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور کچھ غیر اختیاری ہوتے ہیں کہ ان پر قابو پانے کے لیے سخت سے سخت مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ بلکہ جب تک مصائب ومشکلات اور ناگوار و ناموافق حالات کے پتھر سے ذہنی وفکری آبگینہ کو کچلا نہیں جاتا ہے غالباً وہ چمک پیدا ہی نہیں ہوتی جو درجۂ حکمت کے لیے درکار ہے ثبوت میں ان حضرات کی زندگیاں پیش کی جا سکتی ہیں جن کو یہ درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اصلاً یہ حضرات نہایت ذکی۔ ذہین حساس اور نازک مزاج ہوتے ہیں تزکیہ وتقویٰ کے (بالخصوص غیر اختیاری) مواقع سے ان کے ادراکات واحساسات اس قدر تیز و بلند ہو جاتے ہیں کہ کسی

؎۱ مشکوٰۃ کتاب الرقاق۔ ؎۲ ترمذی ابواب الزہد۔

ایک حالت پر ان کو سکون و قرار نہیں میسر ہوتا بلکہ ہر پانے کے بعد دوسرے آگے کو حاصل کرنے کے لیے اضطراب و بے قراری میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ آہ سحر گاہی میں تاثیر ہزار سہی لیکن شب عاشق کو سحر نصیب کہاں ہے چنانچہ ان حضرات کے ادراکات و احساسات کا میلان علم کی طرف ہوتا ہے تو حقائق و معارف اور اسرار و رموز کے وہ درِ نایاب و گوہر آب دار نکال کر باہر لاتے ہیں جو ہر لحاظ سے اہل علم کی سطح سے بلند و برتر ہوتے ہیں اور جب یہ میلان دعوت و تبلیغ اور وعظ و تلقین کی طرف ہوتا ہے تو اس میدان میں وہ نکتہ آفرینیاں و دقیقہ سنجیاں وجود میں آتی ہیں کہ لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔

درجۂ حکمت کے مختلف درجے اور مختلف خانے

درجۂ حکمت کے مختلف درجے اور مختلف خانے ہوتے ہیں جن کے لحاظ سے ہر ایک کے دائرہ کا تعین ہوتا ہے اور ہر ایک اپنے اپنے دائرہ ہی میں کارہائے نمایاں انجام دے پاتا ہے چنانچہ عارفین اور راسخین (علم میں) دونوں درجۂ حکمت پر فائز ہوتے ہیں لیکن دیگر نفسی قوتوں اور ان کی باہمی مناسبتوں کی وجہ سے عارفین کا زیادہ میلان قلب کی طرف ہوتا ہے جس کی بناء پر ان کی حکمت کا زیادہ ظہور اخلاقی میدان میں ہوتا ہے اور راسخین (علم میں) کا زیادہ میلان عقل کی طرف ہوتا ہے جس کی بناء پر ان کی حکمت کا زیادہ ظہور علمی و تحقیقی میدان میں ہوتا۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ فرق درجۂ حکمت کے تکوینی اجزاء سے متعلق ہے کہ اس میں عقل و قلب دونوں ہمہ وقت موجود رہتے ہیں لیکن کسی میں قلبی شعور غالب ہو جاتا ہے اور کسی میں عقلی شعور نمایاں ہوتا ہے جس کی بناء پر عارفین و راسخین کے دائرہ میں فرق نظر آتا ہے عقل کی طرح قلب بھی شعور رکھتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی متعدد آیتوں سے ثابت ہے مثلاً لھم قلوب لا یفقھون بھا۔[1] ان کے پاس دل ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔

ام علی قلوب اقفالھا۔[2] کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون۔[3] ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے۔ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

درجۂ حکمت کے لیے معیار کی ضرورت

غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ عارفین کا دائرہ ہو یا راسخین کا ہو۔ حکمت کے اظہار میں طبعی خصوصیات و بشری کمزوریوں کی آمیزش کا خطرہ بہرحال رہتا ہے جس کی بناء پر ثمرۂ حکمت کو جانچنے و پرکھنے کے لیے ایک بلند و برتر معیار کی ضرورت ہے۔

---

[1] الاعراف آیت ۱۷۹۔ [2] محمد آیت ۲۴۔ [3] المنفقون۔ آیت ۳۔

اور وہ ہے شعور نبوت۔ جو حکمت کا سب سے اونچا درجہ ہے اور جس کے خالص و بے آمیز ہونے اور ہر دائرہ میں متوازن ہونے کی ضمانت و شہادت موجود ہے۔

یہ معیار نہ صرف درجۂ حکمت میں نکھار و جلا پیدا کرتا ہے بلکہ اس کی چاک دامنی و تر دامنی کی اصلاح کر کے ثمرات حکمت کو مستند و قابل قبول بناتا ہے۔

قرآن حکیم میں اس کی تعبیر ما اراٰک اللہ (وہ جو اللہ نے آپ کو دکھایا) سے کی گئی ہے:

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراٰک اللہ۔ [۱]
اے نبیؐ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقام پر یہی تعبیر اختیار فرمائی ہے۔

انی اریٰ مالا ترون۔ [۲]
میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو۔

اس قوت (شعور نبوت) کی حفاظت و نگرانی کا ثبوت ان آیتوں میں ہے۔

فانک باعیننا۔ [۳]
آپ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

ولولا ان ثبتنٰک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا۔ [۴]
اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کچھ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔

شعور نبوت میں معیار کی صلاحیت

شعور نبوت کے علاوہ کسی اور میں اس کی رہنمائی کی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ سب اس سے فروتر ہیں پھر شعور نبوت کو شعور حکمت سے مناسبت بھی ہے کہ اس کے تکوینی اجزاء میں کمال حکمت شامل ہے ادھر شعور حکمت میں بھی شعور نبوت کی جھلک موجود ہوتی ہے جیسا کہ درجۂ حکمت کی تعبیر شرح صدر القائے ربانی نور وہبی علم وغیرہ سے ظاہر ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرح صدر کے بارے میں فرمایا:

ھو نور یقذفہ اللہ تعالیٰ فی القلب۔ [۵]
وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ سینہ میں ڈالتا ہے۔

ابن زیدؒ نے فرمایا:

---

[۱] النساء آیت ۱۰۵۔ [۲] ترمذی و ابن ماجہ ابواب الزہد ۱ نمبر۳۔ [۳] الطور آیت ۴۸۔ [۴] بنی اسرائیل، آیت ۷۴۔
[۵] الغزالی۔ المنقذ من الضلال۔

الحكمة شيئ يجعله الله فى القلب ينور له به۔[1]

حکمت ایک ایسی شے ہے جس کو اللہ دل میں رکھدیتا ہے اس کے ذریعہ وہ دل کو روشن کرتا ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا:

الحكمة والعلم نور يهدى به الله من يشاء وليس بكثرة المسائل۔[2]

حکمت اور علم نور ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ زیادہ مسائل جاننے کا نام نہیں ہے۔

امام غزالیؒ نے اس نور کو مفتاح سے تعبیر کیا ہے:

ذلك النور هو مفتاح اكثر المعارف۔[3]

یہ نور اکثر معارف کی کنجی ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے اس کو علم الموہبت (وہبی علم) سے تعبیر کیا ہے۔[4]

شعور حکمت اور شعور نبوت میں مناسبت سمجھنے کے لیے راقم کی کتاب " حدیث کا درایتی معیار دیکھنا چاہیے۔

حکمت کا ثمرہ

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ استعداد حکمت (درجۂ حکمت) سے فہم کا جو درجہ وجود میں آتا ہے وہ درجۂ حکمت کہلاتا ہے اور اس کا ظہور جس شکل میں ہوتا ہے وہ ثمرۂ حکمت کہلاتا ہے۔

سابقہ کتابوں میں ثمرۂ حکمت

اللہ کی طرف سے جتنی کتابیں پہلے آئیں وہ سب ثمرۂ حکمت سے پرُ تھیں جیسا کہ سابقہ کتابوں کا ذکر بھی حکمت کے ساتھ ہے۔

واذ اخذ الله ميثاق النبين لما آتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاءكم رسول مصدق لما معكم لتومنن به ولتنصرنه۔[5]

اور جب تم (بنی اسرائیل) سے نبیوں کے بارے میں عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب وحکمت سے دیا پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جو تمہارے پاس کی تصدیق کرتا ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور مدد کرو گے۔

---

[1] تفسیر ابن جریر ۱/۴۱۵۔ [2] ابن عبدالبر۔ جامع بیان العلم وفضلہ قول لاحسد الا فی اثنین۔ [3] الغزالی المنقذ من الضلال۔ [4] سیوطی۔ الاتقان۔ [5] آل عمران، آیت ۸۱

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ہے:

وإذ علمتك الكتب والحكمة والتوراة والانجيل۔ [1] — اور یاد کرو جب ہم نے تم کو کتاب اور حکمت (یعنی) توریت اور انجیل کی تعلیم دی۔

آیت میں کتاب اور حکمت کے بعد توریت و انجیل کا ذکر بطور تشریح ہے۔

ويعلمه الكتب والحكمة والتوراة والانجيل۔ [2] — اللہ اس کو کتاب و حکمت (یعنی توریت و انجیل سکھائیگا۔

اس میں بھی توریت و انجیل کا ذکر بطور تشریح ہے۔

ولما جاء عيسى بالبينت قال قد جئتكم بالحكمة ولابين لكم بعض الذى تختلفون فيه۔ [3] — اور جب عیسیٰؑ کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے اور کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کر رہے ہو کھول دوں۔

قرآن حکیم میں ثمرۂ حکمت

قرآن حکیم چونکہ آخری کتاب ہے اس بنا پر پہلی کتابوں کے مقابلہ میں یہ ثمرۂ حکمت کی زیادہ جامع ہے اسی طرح زمانۂ ماضی میں قرآن کی صلاحیتوں اور ضرورتوں میں تفاوت تھا پھر یہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والی تھی اس بنا پر اس سے ثمرۂ حکمت کے اخذ و استنباط کے زیادہ مواقع فراہم ہونے اور مستقبل میں اس سے بھی زیادہ فراہم ہوتے رہیں گے کہ اس کے بغیر ہر دور و زمانہ کے لیے اس کو رہنما تسلیم کرنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

قرآن حکیم میں یہ ثمرات۔ انسان سماج اور کائنات سے متعلق علمی، عملی اور واقعاتی (تجرباتی) ہر قسم کے ہیں جن کو اللہ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کی ہے اور خلافت آدم کے واقعہ میں ضمناً ان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

وعلم آدم الاسماء كلها۔ [4] — اللہ نے آدم کو کل اسماء سکھائے۔

تعلیم اسماء سے مراد علم اجمالی ہے جس سے صلاحیت کی طرف اشارہ ہے جیساکہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

آیتوں میں ثمرۂ حکمت کی طرف اشارہ

ان ثمرات کی طرف عمومی اشارہ قرآن حکیم کی ان آیتوں میں بھی ہے جن میں "حکیم" کی طرف سے اس کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔ مثلاً۔

---

[1] المائدہ، آیت ۱۱۰۔ [2] آل عمران، آیت ۴۸۔ [3] الزخرف، آیت ۶۳۔ [4] البقرہ، آیت ۳۱۔

وانك لتلقى القرآن من لدن حكيم عليم ۔[۱] — بلاشبہ آپ قرآن کو حکیم علیم کے پاس سے حاصل کرتے ہیں۔

تنزیل من حکیم حمید ۔[۲] — یہ حکیم حمید کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے۔

تنزیل الکتب من اللہ العزیز الحکیم ۔[۳] — یہ اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے۔

یٰسٓ والقرآن الحکیم ۔[۴] — یٰسٓ۔ قرآن حکیم کی قسم۔

صراحۃً ثمرۂ حکمت کا ذکر

ان ثمرات کا صراحۃً ذکر ان آیتوں میں ہے جن میں پہلے لفظ حکمت ہے اور اس کے بعد واؤ عطف کے ذریعہ اس کا کسی قدر بیان ہے مثلاً حضرت داؤد کے بارے میں ہے۔

واتہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء۔[۵] — اللہ نے اس کو حکومت اور حکمت دیا اور اس کو وہ کچھ سکھایا جو وہ چاہتا ہے۔

یعنی داؤدؑ کو اللہ نے حکومت دی اور حکمت کے خزانہ سے نوازا اس کے بعد حکومت اللہ کی خلافت کا درجہ حاصل کرتی ہے اس حکمت کا مظہر (ثمرہ) اللہ کی کتاب زبور بھی جو حضرت داؤدؑ کو دی گئی تھی اور جس کا بیشتر تعلق انسان اور سماج سے تھا اس کے علاوہ ایک اور علم بھی حضرت داؤد کو دیا گیا تھا جس کا تعلق اگرچہ کائنات سے تھا لیکن وہ حکمت ہی کا ثمرہ تھا علمہ مما یشاء میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ مثلاً:

ولقد اتینا داؤد منا فضلا یجبال اوبی معہ والطیر والنا لہ الحدید ان اعمل سبغت وقدر فی السرد واعملوا صالحا انی بما تعملون بصیر ۔[۶] — ہم نے داؤد کو خاص فضل سے نوازا (حکم دیا) اے پہاڑو تم بھی اس کے ساتھ تسبیح میں شرکت کرو اور یہی حکم ہم نے پرندوں کو دیا اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کیا کہ ڈھیلی ڈھالی زرہیں بناؤ اور ان کے جوڑ پیوستہ رکھو اور تم سب نیک عمل کرو۔ بیشک تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو اچھی طرح دیکھ رہا ہوں۔

---

[۱] الشعراء، آیت ۶۔ [۲] حٰم السجدہ، آیت ۴۲۔ [۳] الزمر، آیت ۱۔ [۴] یٰسٓ، آیت ۲
[۵] البقرہ، آیت ۲۵۱۔ [۶] سبا، آیت ۱۱-۱۰۔

حضرت داؤدؑ پر لوہا پگھلانے کی اعلیٰ سائنس کا انکشاف ہوا، ہوا کے کنٹرول کرنے کا حکم دیا گیا کہ جس کے ذریعہ ان کے بادبان ایسے سائنٹفک طریقے پر بنائے گئے تھے کہ ہوا کی قلت شدت اور مخالفت سے سفر میں خلل نہ واقع ہوتا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سائنس کا ہر انکشاف اللہ کی رہنمائی سے ہوتا ہے اور کائنات کی اس حکمت کے تحت ہوتا ہے جو اللہ نے ابتدا ہی سے اس کی پیدائش میں ملحوظ رکھا ہے جس کی بنا پر سائنسی انکشافات اللہ کی رحمت ہیں اور ان سے دامن بچانے کے بجائے ان کو دامن میں سمیٹنا اللہ کی مشیت ہے کہ اس کے بغیر اللہ کے منافع ومقاصد کے بقاء وارتقاء کی کوئی شکل نہیں ہے۔

دوسری جگہ ہے:

وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر وکنا فعلین وعلمنٰہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من بأسکم فھل انتم شاکرون۔ [۱]

اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے لیے مسخر کر دیا تھا (ہم نوا بنا دیا تھا) وہ اس کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے تھے اور یہ باتیں ہم ہی کرنے والے تھے۔ اور ہم نے اس کو تمہارے لیے ایک خاص جنگی لباس کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تم کو جنگ میں محفوظ رکھے تو کیا تم شکر کرنے والے بنتے ہو۔

حضرت داؤدؑ کو زرہ بنانے کا فن بھی سکھایا گیا تھا جس سے انھوں نے زرہ کی ایسی اعلیٰ قسمیں، ایجاد کی تھیں کہ ان سے پہلے ایسی زرہوں کا وجود نہیں ملتا ہے اس ایجاد سے ان کے دفاعی اسلحہ میں زبردست اضافہ ہوا اور ان کی فوجی قوت بہت بڑھ گئی یہ سب حکمت داؤدیؑ کے تحت ہے جس کی تفسیر علمہ مایشاء سے کی گئی ہے۔

حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے بارے میں ہے:

وکلا اتینا حکما وعلما۔ [۲]

ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم سے نوازا۔

حکم کے بارے میں ہے:

الحکم مبدأ الحکمۃ وھو الفھم الصحیح ثم القضاء

حکم حکمت کی بنیاد ہے اس سے مراد صحیح فہم پھر اس کے

---

[۱] الانبیاء۔ آیت ۷۹-۸۰۔ [۲] الانبیاء۔ آیت ۷۹

والحکم به فاذا اکمل ذلک وصار ملکۃ راسخۃ سمی الحکمۃ۔ [1]

مطابق حکم اور فیصلہ جب یہ بنیا مضبوط ہوجاتی اور مضبوط ملکہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے تو اس کا نام حکمت ہوجاتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کے بارے میں ہے:

ولسلیمٰن الریح عاصفۃ تجری بامرہ الی الارض التی برکنا فیھا وکنا بکل شیٔ علمین۔[2]

اور ہم نے سلیمان کے لیے بادِ تند کو مسخر کر دیا تھا اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں۔

حضرت داؤدؑ کے پاس بری طاقت بہت تھی لیکن بحری طاقت زیادہ نہ تھی اس میں بے مثال ترقی حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ہوئی۔ اس زمانہ میں سمندری ہواؤں کو کنٹرول کا ذریعہ بادبان تھے جو جہازوں کے لیے انجن کا کام دیتے تھے، حضرت سلیمانؑ نے ہواؤں پر قابو پانے کے بعد ایسے بادبان ایجاد کیے جو سخت ہواؤں میں بھی جہاز کی آمد و رفت میں خلل سے محفوظ رکھتے تھے۔ ایسے بادبان کی ایجاد کرنے کے بعد بری طاقت کے ساتھ ان کا بحری بیڑہ بھی وقت کا سب سے زیادہ طاقتور بیڑہ بن گیا تھا۔

ثمرۂ حکمت فلسفۂ اجتماع اور فصل خطاب ہے

ثمرۂ حکمت فلسفۂ اجتماع ہے جو قوموں کی سرگذشت میں مخفی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں قوموں کی سرگذشت کی یاد دہانی کے بعد ہے۔

کلمۃ بالغۃ ما تغن النذر۔ [3]

گہری حکمت ہے (لیکن) تنبیہات کیا کام دے رہی ہیں؟

ثمرۂ حکمت فصل خطاب ہے جیسا کہ حضرت داؤدؑ کے لیے گذر چکا۔

واتینٰہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔ [4]

ہم نے داؤد کو حکمت دی اور فیصلہ کن بات دی۔

فصل خطاب کے یہ معنی ہیں

القول الحق الواضح عند العقل والقلب۔[5]

حق بات جو عقل اور قلب کے نزدیک واضح ہو۔

ثمرۂ حکمت حکیمانہ انداز ہے

ثمرۂ حکمت حکیمانہ انداز ہے جس سے وقت کے دماغی رفتار کے مطابق دعوت میں کام لیا جائے۔ اس میں مضبوط دلائل پختہ مضامین دلنشین انداز اور موقع

---

[1] عبدالحمید فراہی مفردات القرآن۔ [2] الانبیاء، آیت ۸۱۔ [3] القمر آیت ۵۔ [4] ص آیت ۲۰۔ [5] الفراہی، مفردات القرآن۔

ومحل کی رعایت سبھی شامل ہیں۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔ ؎١

اپنے رب کے راستہ کی طرف طریق حکمت اچھی نصیحت اور عمدہ بحث کے ساتھ دعوت دیجیے۔

ثمرۂ حکمت حضرت لقمانؑ کی ۵ نصیحتیں ہیں

ثمرۂ حکمت حضرت لقمانؑ کی وہ نصیحتیں ہیں جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں مثلاً۔ (١) اللہ کی شکرگذاری کہ یہ نہایت اہم ثمرہ ہے۔

ولقد اتینا لقمن الحکمة ان اشکر للّٰه۔ ؎

اور ہم نے لقمن کو حکمت دی کہ اللہ کے شکرگذار رہو۔

(٢) شرک سے پرہیز کہ شکرگذاری کی اصلی روح ہے۔

واذ قال لقمن لابنه وهو یعظه یٰبنی لا تشرك باللّٰه ان الشرك لظلم عظیم۔ ؎٢

اور یاد کرو جب کہ لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

(٣) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور ان کی شکرگذاری بجالاؤ بالخصوص ماں کے ساتھ کہ اس نے تمہاری پرورش میں بڑی مشقتیں جھیلی ہیں۔

ووصینا الانسان بوالدیه حملته امه وهنا علی وهن وفصله فی عامین ان اشکر لی ولوالدیك الی المصیر۔ ؎٣

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے معاملہ میں ہدایت کی کہ میرے شکرگذار رہو اور اپنے والدین کے بھی۔ (بالخصوص) ماں کہ اس نے دکھ پر دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا۔ میری ہی طرف بالآخر لوٹنا ہے۔

(٤) ماں باپ کی اطاعت کا بھی دائرہ ہے جو اللہ کی اطاعت سے نہیں تجاوز کرتا ہے بالفرض اگر وہ اللہ کی نافرمانی (شرک وغیرہ) کی تعلیم دیں تو اللہ کی اطاعت مقدم ہے لیکن اس سے دنیوی حسن سلوک پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے کہ اس کو بدستور جاری رکھنے کا حکم ہے۔

(٥) وان جاهداك علی ان تشرك بی

اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا

؎١ تا ؎٣۔ لقمان۔ آیت ١٢ تا ١٦۔

ما لیس لک بہ علم فلا تطعہما و صاحبہما فی الدنیا معروفا۔ ل[1]	جس کے باب میں تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات نہ مانو اور دنیا میں بدستور ان کے ساتھ حسن وسلوک کرتے رہیو۔

(۶) ان لوگوں کے طریقے کی پیروی کرتے رہنا جو اللہ کی طرف متوجہ ہیں اور اس کے حکم کو والدین کے حکم پر مقدم رکھتے ہیں۔

واتبع سبیل من اناب الی۔ [2]	اور ان کے طریقہ کی پیروی کیجیو جو میری (اللہ کی) طرف متوجہ ہیں۔

(۷) یہ بات بہر حال ہر وقت ذہن میں رکھنا کہ اللہ ہی طرف واپس جانا ہے اور جو کچھ تم کروگے اللہ اس کو سامنے لائے گا۔

ثم الیٰ مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون۔ [3]	پھر میری ہی (اللہ کی) طرف تمہارا لوٹنا ہے اور میں (اللہ) جو کچھ تم کرتے ہو اس سے تم کو آگاہ کردوں گا۔

(۸) اللہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو سامنے لائے گا اگرچہ کسی گھاٹی میں یا آسمان و زمین کی پہنائیوں میں کیوں نہ کیا گیا ہو۔؟

یبنی انہا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ او فی السموات او فی الارض یات بہا اللہ ان اللہ لطیف خبیر۔ [4]	اے میرے بیٹے۔ کوئی عمل اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو خواہ وہ کسی گھاٹی میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں ہو اللہ اس کو حاضر کردے گا بے شک اللہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

(۹) نماز کا اہتمام کرنا کہ اللہ کی شکر گذاری کا یہ اولین مظہر ہے اور بندے کو اللہ سے جوڑنے کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔

یبنی اقم الصلوٰۃ۔ [5]	اے بیٹے! نماز کا اہتمام کرتے رہیو۔

(۱۰) لوگوں کو نیکی و بھلائی کا حکم دیتے رہنا کہ یہ بندے کو اللہ کی مخلوق سے جوڑنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

وامر بالمعروف۔ [6]	نیکی و بھلائی کا حکم دیتے رہیو۔

---

[1] تا ۶ لقمان۔ آیت ۱۲ تا ۱۶ ۔

(۱۱) لوگوں کو برائی اور بری باتوں سے روکتے رہنا کہ برائیوں سے اللہ سے دوری پیدا ہوتی اور بندوں کے دلوں میں کدورت آتی ہے۔

وانہ عن المنکر۔ ۱؎	اور بری باتوں سے روکتے رہیو۔

(۱۲) راہ کی مشکلات سے صبر کرتے رہنا کہ اس راہ میں صبر ہی سب کچھ ہے۔

واصبر علی ما اصابک ان ذٰلک من عزم الامور۔ ۲؎	اور جو مصائب و مشکلات پہنچیں ان پر صبر کیجیو یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔

(۱۳) غرور و تکبر کی بنا پر لوگوں سے بے رخی نہ اختیار کرنا اور اکڑ اکڑ مت چلنا۔

ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحا۔ ۳؎	اور لوگوں سے بے رخی نہ کریو اور زمین میں اکڑ اکڑ نہ چلیو۔

(۱۴) زندگی کے حالات و معاملات میں میانہ روی اختیار کرنا اور بات چیت میں اپنی آواز کو پست رکھنا۔

واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔ ۴؎	اور درمیانی چال اختیار کریو، آواز کو پست رکھیو بیشک سب سے مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے۔

حضرت لقمانؑ کی یہ نصیحتیں سماجی زندگی کے لیے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور ان میں جس قدر حکمتیں پوشیدہ ہیں حکیم ہی کی رسائی ان تک ہوسکتی ہے۔ یہ نصیحتیں امیر و غریب شاہ و گدا سب کے لیے یکساں خیر و برکت رکھتی ہیں پھر محققین کے نزدیک حضرت لقمان صرف حکیم نہ تھے بلکہ حکمران حکیم تھے اس بنا پر یہ نصیحتیں اپنے جلو میں قیادت و سیادت کی ذمہ داریاں بھی لیے ہوئے ہیں۔

ثمرۂ حکمت چند بنیادی تعلیمات ہیں

ان ثمرات کا صراحۃً ذکر ان آیتوں میں بھی ہے جن میں زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق تعلیمات بیان ہوتی ہیں اور ان کے بعد لفظ حکمت استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

ان ھٰذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم۔ ۵؎	بیشک یہ قرآن طریق اقوم کی ہدایت دیتا ہے۔

طریق اقوم سے وہ راستہ مراد ہے جو فطرت اور عقل کے مطابق ہو اور جس پر چل کر انسان اپنا صحیح

۱؎ تا ۴؎ لقمان آیت ۱۶ تا ۱۹۔ ۵؎ بنی اسرائیل آیت ۹۔

مقام ومنصب حاصل کرسکے اس کی چند بنیادی دفعات یہ ہیں:

(۱) اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہ بناؤ کہ اس سے انسان اپنی حیثیت سے گر جائے گا۔

لا تجعل مع اللہ الٰھا آخر فتقعد مذموما مخذولا۔ لہ

اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہ کرو کہ اس سے تم قابل مذمت اور ذلیل ہو کر رہ جاؤ گے۔

(۲) اللہ کے بعد سب سے بڑا حق ماں باپ کا ہے وہ بھی اللہ کے کسی حق میں شریک نہیں ہیں۔ عبادت صرف اور صرف اللہ کی ہے اور ماں باپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک کا حکم ہے۔

وقضیٰ ربک الّا تعبدوا الّا ایاہ وبالوالدین احسانا۔ ٢ہ

آپ کے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرو۔

(۱) ماں باپ کے بڑھاپے میں ان کے احساس کی نزاکت کا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھو اور کوئی بات ایسی نہ ہونے پائے کہ جس سے ان کی دل آزاری ہو۔

اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلٰھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما۔ ٣ہ

اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان میں سے ایک یا دونوں تو نہ ان کو اف (اظہار بیزاری) کہو نہ ان کو جھڑکو اور ان سے شریفانہ بات کہو۔

(ب) ماں باپ نے جس طرح بچپن میں تمھیں اپنے بازوؤں کے نیچے چھپائے رکھا اسی طرح بڑھاپے میں تم اپنی محبت ووفاداری کے بازوؤں کے نیچے ان کو چھپائے رکھو اور ان کے لیے دعا کرتے رہو۔

واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیٰنی صغیرا۔ ٤ہ

اور نیازمندی کا بازو ان کے لیے جھکائے رہو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما، جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

(ج) ماں باپ کی خدمت ووفاداری میں صرف ظاہری رواداری ودلجوئی مقصود نہیں ہے۔ بلکہ پاکیزہ قلبی ودل کی نیکی مطلوب ہے۔

لہ بنی اسرائیل، آیت ۲۲۔ ٢ہ ایضاً آیت ۲۳۔ ٣ہ آیت ۲۳۔ ٤ہ ایضاً آیت ۲۳

ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفوراً۔ [1]
جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس سے تمہارا رب خوب واقف ہے اگر تم سعادتمند ہوگے تو وہ رجوع کرنے والوں کو خوب بخشنے والا ہے۔

(۳) تمہارے مال میں قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے وہ ان کو دو۔

وآت ذاالقربی حقہ والمسکین وابن السبیل [2]
اور قرابت داروں کو ان کا حق دو اور مسکین ومسافر کو بھی دو۔

(۴) ولا تبذر تبذیرا
بیشک فضول خرچی شیطانی حرکت ہے اس سے بچو۔

ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطن لربہ کفوراً۔ [3]
بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے رب کا نہایت ناشکرا ہے۔

(۵) اگر مذکورہ حقوق ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو تو دل داری وہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔

واما تعرضن عنھم ابتغاء رحمۃ من ربک ترجوھا فقل لھم قولا میسوراً۔ [4]
اگر تمہیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں جس کے تم متوقع ہو ان سے اعراض کرنا پڑے تو تم ان سے نرمی کی بات کہو۔

(۶) خرچ واخراجات میں میانہ روی اختیار کرو نہ زیادہ تنگی سے کام لو اور نہ زیادہ کشادگی کی عادت ڈالو۔

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسوراً۔ [5]
نہ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھے رکھو اور نہ اس کو بالکل کھلا ہی چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہوکر بیٹھ رہو۔

(۷) رزق کا خزانہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی حسب حال ومصلحت تنگی وکشادگی کرتا ہے اور وہی خرچ واخراجات کے ضوابط مقرر کرتا ہے۔

ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ کان بعبادہ خبیرا بصیراً۔ [6]
بیشک آپ کا رب ہی جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں کشادگی کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔

---

[1] بنی اسرائیل آیت ۲۵۔ [2] ایضاً آیت ۲۶۔۲۷ [3] ایضاً آیت ۲۸۔ [4] ایضاً آیت ۲۹۔ [5] ایضاً آیت ۲۹۔ [6] ایضاً آیت ۳۰

بے شک وہی اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے۔

(۸) ناداری و افلاس سے اولاد کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ اور اللہ کی تقسیم رزق میں مداخلت کرنا ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأً کبیرا۔ [۱]

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل بہت بڑا جرم ہے۔

(۹) زنا و بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ کہ اس سے صحیح خون و صحیح نسب نہیں برقرار رہتا اور صالح معاشرہ پر ضرب کاری پڑتی ہے۔

ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا۔ [۲]

اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو یہ کھلی ہوئی بے حیائی اور نہایت بری راہ ہے۔

(۱۰) ہر جان کی حرمت کی حفاظت اس کا فطری حق ہے کسی حق کے بغیر اس میں دراندازی کی اجازت کسی کو نہیں ہے اس بنا پر ناحق قتل انسانی حرمت کی پردہ دری اور انسانیت کا خون ہے۔

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق [۳]

جس جان کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اس کو قتل مت کرو مگر حق پر۔

(۱۱) مظلوم مقتول کے ورثاء کو قاتل کے معاملہ میں قصاص خون بہا اور معافی کا اختیار ہے۔ لیکن حد سے تجاوز کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطٰناً فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔ [۴]

اور جو ظلماً قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے کہ وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے کیونکہ اس کی مدد کی گئی ہے

(۱۲) یتیم کے مال میں کسی ناجائز تصرف کی ہرگز اجازت نہیں ہے صرف اس تصرف کی اجازت ہے (وہ بھی اولیاء کو) جو مال کی حفاظت۔ ترقی اور اس کے نشوونما کے لیے ہو۔

---

[۱] بنی اسرائیل، آیت ۳۱۔ [۲] ایضاً۔ آیت ۳۲۔ [۳] ایضاً۔ آیت ۳۳۔
[۴] ایضاً۔ آیت۔ ۳۳۔

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہٗ۔ ؎۱
اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو اس کے حق میں بہتر ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن پختگی کو پہنچ جائے۔

(۱۳) ہر نوعیت کے عہد کو پورا کرو خواہ اس کا تعلق باہمی ہو یا قرلی و بین الاقوامی ہو۔ عرفاً و عادتاً ہو یا لفظاً و معناً ہو کہ اسی کے پورا کرنے پر صالح خاندان صالح معاشرہ اور صالح حکومت کا قیام و بقا منحصر ہے۔

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا ؎۲
اور عہد پورا کرو کہ عہد کی پرسش ہوگی۔

(۱۴) ناپ تول میں خیانت نہ کرو کہ انجام کار کے لحاظ سے یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ذلک خیر و احسن تاویلا۔ ؎۳
جب تم ناپو تو ناپ پوری رکھو اور وزن صحیح ترازو سے کرو یہی بہتر اور انجام کے اعتبار سے خوب تر ہے۔

(۱۵) کسی کی عزت و ناموس کے درپے نہ ہو بلا تحقیق کسی ایسی بات کے پیچھے نہ پڑو کہ جس سے کسی کی بے آبروئی و بے عزتی ہوتی ہو جان و مال کی طرح ہر ایک کی عزت و ناموس کی حفاظت فرض ہے۔

ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ ؎۴
جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے درپے نہ ہو کیوں کہ کان آنکھ اور دل ہر ایک کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

(۱۶) مغروروں اور متکبروں کی روش نہ اختیار کرو اللہ کی عظمت اور جلال کے آگے جھکے رہو۔

ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا۔ ؎۵
زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چلو نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔

ان سب باتوں کے ذکر کے بعد ہے۔

ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ۔ ؎۶
یہ ان باتوں میں سے ہیں جو تمہارے رب نے حکمت میں سے تمہاری طرف وحی کی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ثمرات حکمت میں سے ہیں اصلاً یہ چند احکام ہیں لیکن ان کا انداز

؎۱ بنی اسرائیل۔ آیت ۳۴۔ ؎۲ ایضاً۔ آیت ۳۴۔ ؎۳ ایضاً آیت ۳۵۔ ؎۴ ایضاً آیت ۳۶۔ ؎۵ ایضاً آیت ۳۷۔ ؎۶ ایضاً آیت ۳۹۔

بیان خود ہی ظاہر کر رہا ہے کہ ان میں حکمت کا خزانہ پوشیدہ ہے جس سے وہی بہرہ ور ہو سکتا ہے جس کو اللہ نے حکمت کی نعمت و دولت سے نوازا ہے۔

ثمرۂ حکمت تک رسائی قرآن حکیم کتاب فطرت ہے اس میں ثمرۂ حکمت تک رسائی کے لیے (ربط آیات اور ان علوم کے علاوہ جو قرآن فہمی کے لیے ضروری ہیں) انسان سماج اور کائنات کو اس نگاہ سے مطالعہ کی ضرورت ہے جس کو خود قرآن نے پیش کیا ہے۔ اس کے بغیر وہ حکمت سمجھ میں نہ آئے گی جو ان تینوں میں ابتدائے آفرینش سے ملحوظ ہے اور جس کے بغیر وہ توازن نہ پیدا ہو سکے گا جو قرآن کا مقصود و مطلوب ہے۔

ذیل میں حکمت کے لیے ان تینوں کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔

قرآنی حکمت کے لیے انسان کا مطالعہ

انسان کی پیدائشی بناوٹ سے متعلق جو آیتیں ہیں ان میں غور و فکر سے اس نگاہ کا تعین ہوتا ہے جو قرآنی حکمت کے لیے درکار ہے مثلاً: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔[۱]

"ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔"

یہ سورۂ والتین کی آیت ہے جس کا موضوع ہی فطرت کی نقاب کشائی ہے "تقویم" کے معنی سیدھا کرنا، مناسب انداز میں ڈھالنا اور مہذب و آراستہ کرنا جیسا کہ لغت و تفسیر میں یہ معنی منقول ہیں۔

قومتہ فاستقام۔[۲] (میں نے اس کو سیدھا کیا پس وہ سیدھا ہو گیا۔) قومہ الدھر ای جعلہ متزنا حصیف .... الرای و العقل۔[۳] زمانہ نے اس کو سیدھا کر دیا یعنی موزوں صائب الرای اور دور اندیش بنا دیا۔) التقویم تصییر الشئ علی ماینبغی ان یکون فی التالیف والتعدیل۔[۴] (تناسب و توازن میں جس کا جیسا ہونا مناسب و موزوں ہو ویسا ہی بنایا۔) تقویم الشئ تثقیفہ۔[۵] (کسی شے کی تقویم اس کو

---

[۱] سورۂ والتین آیت ۵۔ [۲] فخر الدین رازی۔ تفسیر کبیر سورۂ والتین۔ [۳] محمد علی صابونی صفوۃ التفاسیر سورہ والتین [۴] تفسیر کبیر۔ سورۂ والتین۔ [۵] راغب اصفہانی المفردات فی غرائب القرآن۔

مہذب و آراستہ کرنا۔

احسن تقویم کی تفسیر

احسن تقویم کی تفسیر میں مفسرین سے یہ منقول ہے۔

(۱) انسان میں وہ صفتیں نقش ہیں جو اللہ کے لیے مذکور ہیں وہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو کائنات میں موجود ہیں۔[1]

(۲) روحانی خصوصیتوں کے ذریعہ انسان اس بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں ملائکہ مقربین نہیں پہنچتے ہیں فطری صلاحیتوں کے ذریعہ ان کمالات کو حاصل کر لیتا ہے جو اس کے لیے مقدر ہیں۔[2]

(۳) انسان کی فطرت خیر کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، اسی کو خیر و شر کا علم ہے، دونوں کی طرف میلان ہے اور کرنے و نہ کرنے میں اس کو اختیار ہے۔[3]

قسم بطور شہادت ہوتی ہے

"احسن تقویم" کے ثبوت میں چار چیزوں (انجیر، زیتون، طور سینا اور مکہ معظمہ کی قسم کھائی گئی ہے جن کی عظمت و بڑائی بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ثبوت میں بطور شہادت ان کو پیش کرنا مقصود ہے، جیسا کہ اس آیت میں یمین (قسم) اور شہادت کے طریق استعمال سے قرآنی قسموں کی نوعیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

إذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء ما كانوا يعملون۔[4]

"جب منافق آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپؐ اس کے رسولؐ ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بالکل جھوٹے ہیں، انھوں نے اپنی قسموں (شہادت) کو ڈھال بنا رکھا ہے وہ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بلاشبہ یہ نہایت ہی برا کام کر رہے ہیں۔"

علاقے اور مقامات کی شہادت سے مراد

ثبوت میں جن چار چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا گیا ہے ان سے وہ علاقے اور مقامات مراد ہیں جن میں صاحب شریعت اور اولوالعزم پیغمبرؑ "احسن تقویم" کے اعلیٰ نمونہ بنا کر بھیجے گئے اور جن کی زندگی کا مشن ہی اس کی طرف

۱؎ قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری سورۂ والتین۔ ۲؎ سید قطب فی ظلال القرآن سورۂ والتین۔ ۳؎ حمید الدین فراہی تفسیر والتین۔ ۴؎ المنافقون آیت ۱ و ۲۔

دعوت دینا تھا، چنانچہ "تین" کے معنی انجیر ہے لیکن محققین مفسرین کے نزدیک اس سے جودی پہاڑ و اطراف کا وہ علاقہ مراد ہے جس میں انجیر کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور جو حضرت نوح علیہ السلام کا مستقر اور طوفانِ نوح کے بعد "احسن تقویم" کی دعوت کا اولین مرکز تھا۔ زیتون سے شام کے پہاڑ کا وہ علاقہ مراد ہے جس میں زیتون کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور جو بہت سے انبیاء علیہم السلام وحضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مستقر و "احسن تقویم" کی دعوت کا میدان تھا۔ بلدامین (امن والا شہر) سے مکہ معظمہ مراد ہے جس میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کی اعلیٰ نمائندگی موجود تھی اور خانہ کعبہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے "احسن تقویم" کی دعوت کا مرکز قرار پایا۔

احسن تقویم کے گل سرسبد کی شہادت

جس طرح قرآن حکیم میں بکثرت علاقے و مقامات کے تذکرہ سے وہاں کے باشندوں کو بطور ثبوت پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔

تلك القریٰ نقصّ علیك من انباءھا۔[1] یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم آپ کو سناتے ہیں۔

اسی طرح ان علاقوں اور مقامات کے تذکرہ سے بھی وہاں کے ان باشندوں (انبیاء علیہم السلام) کو بطور شہادت پیش کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے جو "احسن تقویم" کے گل سرسبد ہیں پھر اس طرزِ بیان میں شہادت کی جو جامعیت ہے وہ کسی اور طرح نہیں پیدا ہوسکتی کہ یہ علاقے و مقامات نہ صرف احسن تقویم کے شاہد ہیں بلکہ ضمناً اسفل سافلین (پست ترین درجہ) کے بھی شاہد ہیں جو خلاف ورزی کی وجہ سے شقاوت و محرومی کے مستوجب قرار پائے تھے۔

احسن تقویم میں نورفطرت

"احسن تقویم" کی مذکورہ عظمت و رفعت نور فطرت کی وجہ سے ہے جو اس میں پیوست ہے اور جس کا ربط و تعلق نور وحی سے ہے، جیساکہ قرآن حکیم کی اس آیت میں اشارہ ہے۔

(۲) فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ۔[2] "اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔"

"فطرت" کے لغوی معنیٰ آٹا گوندھ کر خمیر آنے سے پہلے روٹی پکانا "تفطر العجین" اس وقت کہا جاتا ہے جب آٹا گوندھ کر روٹی پکائی جائے۔[3] پھر معنی میں توسیع ہو کر کسی شے کو خاص ہیئت پر

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۱۰۱۔ [2] سورۂ روم، آیت ۳۰۔ [3] مجد الدین الشیرازی۔ قاموس۔ فطر۔

ایجاد کرنے اور گھڑنے میں فطرت کا استعمال ہونے لگا، چنانچہ "تفطر الخلق" کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں:

وھو ایجادہ الشی وابداعہ علی ھیئة مترشحة بفعل من الافعال۔ [1]	اللہ کا کسی چیز کو ایسی ہیئت میں گھڑنا کہ جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لائق ہو جائے۔

انگریزی وعربی لغت میں فطرت کی یہ تعریف کی گئی ہے:

"بچہ کی وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ میں پیدا کیا جاتا ہے۔"[2]

مذکورہ آیت میں فطرت سے مراد نورِ فطرت ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے اور جس کو قریب الفہم بنانے کے لیے مختلف تعبیرات (توانائی قوت، استعداد میلان وغیرہ) اختیار کی جاتی ہیں۔ چنانچہ راغب اصفہانی نے آیت فطر اللہ الخ میں فطرت کی یہ تعبیر اختیار کی ہے:

ھی ما رکز فیہ من قوتہ علی معرفة الایمان۔ [3]	اللہ کی فطرت سے وہ قوت مراد ہے جو ایمان کی معرفت کے لیے پیوست کر دی جاتی ہے۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں:

وھی قبولھم للحق وتمکنھم من ادراکہ [4]	حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی جو استعداد و قدرت ہوتی ہے۔ اس کا نام فطرت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں:

لان الانسان خلق فی اصل الفطرة المیل الی بارئہ جل مجدہ وذلک المیل امر دقیق [5]	انسان کی اصل فطرت میں اپنے بزرگ و برتر پیدا کرنے والے کی طرف میلان پیدا کیا گیا ہے اور یہ میلان نہایت دقیق امر ہے۔

نورِ فطرت کا ثبوت

نورِ فطرت کا ثبوت قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے:

افمن کان علی بینة من ربہ	کیا جو لوگ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہیں۔

---

[1] مجد الدین الشیرازی۔ قاموس۔ فطر۔ [2] Arabic English Lexican By Eduiard. [3] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غرائب القرآن۔ [4] قاضی بیضاوی۔ تفسیر بیضاوی۔ روم۔ آیت ۳۰۔ [5] حضرت شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ ج ۱ باب الایمان بیان العبادۃ حق اللہ۔

ويتلوه شاهد منه ومن قبله كتاب موسى اماماً ورحمة اولئك يؤمنون به[1]

پھر اس کے بعد ایک گواہ بھی آجاتا ہے اور پہلے سے موسیٰؑ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت سے موجود ہے ایسے ہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔

"بینہ" کے معنی روشن دلیل و حجت کے ہیں۔ یہاں نور فطرت مراد ہے جو روشنی و رہنمائی کے لیے انسان کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے۔ شاہد کے معنی گواہ ہیں۔ یہاں نور وحی (کتاب الٰہی) مراد ہے جس کی حیثیت اندر کی آواز (نور فطرت) کے لیے آسمانی شاہد کی ہے[2]

نور فطرت کی طرف اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے:

كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه۔[3]

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین یہودی نصرانی اور مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔

پھر ایک مثال کے ذریعہ آپؐ نے وضاحت فرمائی:

كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء۔[4]

جیسا کہ بکری کا بچہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے اس میں کن کٹے کا عیب نہیں پایا جاتا۔

ایک جنگ میں مسلمانوں نے دشمنوں کے بچوں کو بھی قتل کر دیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے سخت ناراض ہو کر فرمایا:

ما بال اقوام جاوزهم القتل اليوم حتى قتلوا الذرية۔

لوگوں کو کیا ہو گیا کہ آج وہ حد سے گذر گئے اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا یہ مشرکین کے بچے نہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

انما خياركم ابناء المشركين۔

تمہارے بہترین لوگ مشرکین ہی کی تو اولاد ہیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

كل نسمة تولد على الفطرة حتى يعرب عنه لسانها فابواها يهودانها او ينصرانها۔[5]

ہر جان فطرت پر پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ جب اس کی زبان کھلنے لگتی ہے تو ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا ڈالتے ہیں۔

---

[1] سورۂ ہود آیت ۱۷۔ [2] محمد عبدہٗ تفسیر المنارج ۱۲۔ سورۂ ہود۔ [3] بخاری و مسلم و مشکوٰۃ کتاب القدر۔ [4] ایضاً۔ [5] مسند احمد بن حنبل و نسائی۔

ابنِ اثیر نے بچّہ کے فطرت پر پیدا ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے:

"بچّہ جبلت و طبیعت کی ایسی ہیئت پر پیدا کیا جاتا ہے جو قبولِ دین کے لیے آمادہ ہوتی ہے اگر اس ہیئت پر چھوڑ دیا جائے تو یہ ہمیشہ برقرار رہے"[1]

نورِ فطرت کے اثرات

"احسن تقویم" میں نورِ فطرت کی وجہ سے شرح صدر ہوا۔ سعادت کی طرف رجحان ہوا۔ انسان امورِ سعادت کے لائق بنا اور پھر ان کو قبول کرنے پر آمادہ ہوا

قرآنِ حکیم میں ہے:

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ[2] "کیا وہ جن کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہیں۔ (اور جن کے دل سخت ہو چکے ہیں یکساں ہوں گے)"

شرح صدر یہ ہے:

بسطۃ بنور الٰھی و سکینۃ من جھۃ اللہ و روح منہ[3]

نورِ الٰہی کے ذریعہ دل کی کشادگی اور اللہ کی طرف سے رحمت و سکینت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقی علیھم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اھتدیٰ ومن اخطاءہ ضل۔[4]

"اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا، جس شخص نے اس نور کے ذریعہ اپنے کو درست کیا اس نے ہدایت پائی اور جس نے درست نہیں کیا وہ گمراہ ہوا"

انبیاء کا نورِ فطرت سب سے زیادہ قوی و روشن ہوتا ہے

انبیاء علیہم السلام کا نورِ فطرت سب سے زیادہ قوی، سب سے زیادہ روشن، سب سے زیادہ رہنمائی دینے والا اور سب سے زیادہ امورِ سعادت پر آمادہ کرنے والا ہے۔ اس لحاظ سے وہ "آفتاب

---

[1] ابن اثیر۔ النہایۃ فی غریب الحدیث۔ [2] سورۂ زمر آیت ۲۲۔ [3] راغب اصفہانی المفردات فی غرائب القرآن۔ [4] مسند احمد و ترمذی و مشکوٰۃ باب القدر۔

آمد دلیل آفتاب" کے مصداق ہے اور دوسرے انسانوں کے لیے عملی شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا :

یقوم ارأیتم ان کنت علی بیّنۃ من ربی و اٰتٰنی رحمۃ من عندہٖ فعمیت علیکم انلزمکموھا و انتم لھا کرھون۔ ؎۱

"اے میری قوم کے لوگو غور کرو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی رحمتِ خاصہ سے بھی نوازا لیکن وہ تمھیں نہیں دکھائی دے رہی ہے تو کیا ہم اس کو جبراً تمہارے اوپر چپکا دیں حالانکہ تم اس سے بیزار ہو"

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا :

یقوم ارءیتم ان کنت علی بینۃ من ربی و اٰتٰنی منہ رحمۃ فمن ینصرنی من اللہ ان عصیتہ فما تزیدوننی غیر تخسیر۔ ؎۲

"اے میری قوم کے لوگو دیکھو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت خاصہ سے بھی نوازا تو اگر میں اس کی نافرمانی کر دوں تو اس کے مقابلہ میں کون میری مدد کرے گا تم میرے خسارہ ہی میں اضافہ کرنا چاہتے ہو"۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا :

یقوم ارءیتم ان کنت علی بینۃ من ربی و رزقنی منہ رزقاً حسناً و ما ارید ان اخالفکم الی ما انھٰکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت۔ ؎۳

"اے میری قوم کے لوگو سوچو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے رزقِ حسن (رحمتِ خاصہ) عطا فرمایا (تو اس کے سوا تمھیں اور کس چیز کی دعوت دوں) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس سے تمھیں روکتا ہوں اس کو میں خود اختیار کر دوں۔ میں تو صرف اصلاح ہی چاہتا ہوں"۔

ان آیتوں میں دعوت کی بنیاد بینہ (نور فطرت) اور رحمت (نور وحی) دونوں پر رکھی گئی ہے جس سے اس راہ میں خاص طور سے نور فطرت کی اہمیت و رہنمائی واضح ہوتی اور نور وحی کے ساتھ

؎۱ سورہ ہود، آیت ۲۸۔ ؎۲ سورہ ہود، آیت ۶۳۔ ؎۳ سورہ ہود، آیت ۸۸۔

اس کی مطابقت کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ مفسرین نے "بینہ" سے شعوری یقین الٰہی فیضان وبصیرۃ وغیرہ اور رحمت ورزق حسن سے نبوّت وحکمت مراد لیا ہے[۱] نوروحی کی تعبیر رزق حسن کے ساتھ کرنے میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بقائے حیات کے لیے مادّی رزق ضروری ہے اسی طرح بقائے انسانیت کے لیے معنوی رزق (نوروحی) ضروری ہے۔ نورفطرت ہی کی رہنمائی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عنوان شباب میں اپنے باپ اور اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عکفون۔[۲]

"یہ مورتیاں کیا ہیں کہ جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلی زندگی بطور سند پیش کی تھی۔

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ۔[۳]

"میں اس سے پہلے تم میں عمر کا بڑا حصّہ گذار چکا ہوں کیا اس کو تم نہیں سمجھتے ہو"

اسی طرح قبل از نبوت تمام نبیوں کی زندگیاں نورفطرت کی رہنمائی پر شاہد عادل ہیں کہ وہ شرک وبت پرستی، مادی کثافتوں وہمہ قسم کی آلودگیوں سے صاف ستھری رہیں اور ان صفات وخصائص سے آراستہ رہیں جن کا نزول فطرت کی جانب سے ہوتا تھا۔ وحی کے نزول کا سلسلہ تو بعد میں شروع ہوتا رہا۔

ذوق طبعی کے ساتھ نورفطری کا امتزاج

"احسن تقویم" میں نورفطرت کی وجہ سے نوری امتزاج عمل میں آیا جس نے انسان کو غیرمعمولی صلاحیتوں وسرفرازیوں سے نوازا اور نیابت (اللہ کی) وقیادت (کائنات کی) کا مستحق ٹھہرایا جس کی صورت یہ ہوئی کہ نور فطری وذوق طبعی (جو اجزائے ترکیبی کے خواص سے تیار ہوا تھا) ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور انفرادی حیثیت سے دونوں میں کوئی اس قابل نہیں کہ انسان کو مطلوب مقام ومنصب کے لائق بنا سکے۔

چنانچہ ذوق طبعی کے خواص کو ملحوظ رکھ کر فرشتوں نے کہا تھا۔[۴]

---

[۱] سید قطب۔ فی ظلال القرآن، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری، سید محمد آلوسی روح المعانی آیت ۸۸ سورۂ ہود۔ [۲] سورۂ انبیاء آیت ۵۲۔ [۳] سورۂ یونس آیت ۱۶۔ [۴] علاء الدین علی بن محمد تفسیر خازن سورہ بقرہ آیت ۳۰۔

اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدمآء[1] کیا آپ اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد و خوں ریزی کرے گا۔

نور فطری کے خواص اگرچہ فرشتوں میں موجود تھے لیکن وہ آدم کے ساتھ مقابلہ کے امتحان میں ناکام ہوئے اور ان الفاظ میں اپنے عجز کا اعتراف کیا:

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔[2]

"آپ کی ذات پاک ہے ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر وہی جو آپ نے ہمیں دیا"۔

لیکن نور فطری کے خواص کا امتزاج جب ذوق طبعی کے خواص سے ہوا تو ایک ایسی "توانائی" وجود میں آئی جس نے انسان کو وہ سب کچھ دیا جس کو دینے کے لیے اس کو پیدا کیا گیا تھا۔

خلافت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ جواب دیا تھا:

اِنّی اَعلَمُ مَا لَا تَعلَمُونَ۔[3] میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔

نوری امتزاج کا عمل

نوری امتزاج کا عمل نہایت نازک و باریک اور صناعی کا بہترین شاہکار ہے جس کا تحلیل و تجزیہ انسان کے بس سے باہر ہے صرف مظاہر کو دیکھ کر اس کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اور اوصاف و خصائص کے ذریعہ اس کے اثرات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نور فطری کی کرنیں اپنے وظیفہ کے لحاظ سے مختلف گروپ میں تقسیم ہیں، اور ہر ذوق طبعی کی لہریں اپنی کارکردگی کے لحاظ سے بھی مختلف گروپ میں تقسیم ہیں۔ کرنوں کے جس گروپ کو لہروں کے جس گروپ کے ساتھ خاص وظیفہ کی ادائیگی میں مناسبت ہوتی ہے بس اس کا اس کے ساتھ امتزاج کر دیا جاتا ہے اور پھر اسی کے لحاظ سے انسان کی خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا ہے۔

گفتگو نوری امتزاج کے قدرتی عمل کی ہے کہ اس کے ذریعہ کرنوں کو نامیاتی لہروں میں مستحکم کر کے ان لہروں کو متعلقہ خاص کام کی ادائیگی کے قابل بنایا جاتا ہے (کہ اس کام کو تنہا نہ یہ کرنیں انجام دے سکتی ہیں اور نہ یہ لہریں) ورنہ جہاں تک نورِ فطرت سے فیضیاب ہونے کا تعلق ہے سبھی لہریں حسب حیثیت ان سے مستفیض ہو کر ہی احسن تقویم میں اپنا جواز مہیا کرتی ہیں جس طرح سورج کی شعاؤں سے سبھی مادّی اشیاء مستفیض ہوتی ہیں لیکن جن نامیاتی مادّوں سے متعلق خاص کام ہوتا ہے وہ ان کرنوں کو اپنے اندر

[1] سورہ بقرہ آیت ۳۰۔ [2] ایضاً آیت ۳۲۔ [3] ایضاً آیت ۳۰۔

جذب کرکے ان سے روشنی، قوت اور غذائیت حاصل کرتے ہیں اور پھر وہ مادّے مفوّضہ کام کے انجام دینے کے قابل بنتے ہیں۔

مادّی اشیاء میں نوری امتزاج

مادّی اشیاء میں اس قسم کے نوری امتزاج کے قدرتی عمل سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ کرۂ ارض کی ساری چہل پہل اسی کی مرہونِ منت ہے۔ خوردنی اشیاء کی زنجیر کی ہر بنیادی کڑی اسی پر منحصر ہے اور زندگی کے تحفظ و بقا کے لیے اس کے کلیدی رول پر سبھی کا اتفاق ہے۔ جب مادّی اشیاء میں نوری امتزاج کا یہ کردار مسلم ہے تو انسان کے اوصاف و کمالات میں اس کے تسلیم کرنے میں کیا دشواری ہے۔؟ انسان جو ایک طرف تکوین کائنات کا نقطۂ اولین و تخلیق کائنات کا کُل سرسبد ہے اور دوسری طرف حریم قدس کا رازداں نوامیس فطرت کا نکتہ داں ہے وہ کیوں کر اللہ کے نور (نورفطرت اسی کا پرتو ہے) سے محروم قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور نور کے بغیر فرائض کی انجام دہی کا مطالبہ اس سے کیسے درست ہوسکتا ہے کہ جن کے لیے نوری صفات و کائناتی خصوصیات دونوں کی نمائندگی درکار ہے۔

نوری امتزاج کے بعد عہد فطرت

چنانچہ نوری امتزاج کے بعد ہی وہ عہد لیا گیا جو رہتی دنیا تک انسان میں نوری صفات کی نمائندگی کی ضمانت پیش کرتا ہے اور اس کے بعد ہی وہ مظاہرہ کرایا گیا جو کائنات تک انسان میں کائناتی خصوصیات کی ضمانت دیتا ہے۔

نوری صفات کی نمائندگی کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي ۔[۱]

"اور جب آپؐ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے اُن کی اولاد نکالی اور ان سے انھیں کے متعلق اقرار لیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا بے شک آپ رب ہیں۔"

مفسرین نے اس عہد فطرت کو عالم ارواح یا عالم مثال کا واقعہ تسلیم کیا ہے، لیکن اس کو خلافت آدم کے واقعہ کی ایک کڑی تسلیم کرلینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

کائناتی خصوصیات کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:

---

[۱] سورۂ اعراف آیت ۱۷۲۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۤءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰۤئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِــُٔوْنِیْ بِاَسْمَاۤءِ هٰۤؤُلَاۤءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ [1]

"اور اللہ نے آدم کو کل اسمار سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔"

قرینہ سے الاسمار کا الف لام عہد کا معلوم ہوتا ہے مراد کچھ خاص اسمار ہیں جن کا کل مراد ہے۔ الاسمار کی یہ تفسیر کی گئی ہے:

الھمہ معرفۃ ذوات الاشیاء وخواصھا واسمائھا واصول العلوم وقوانین الصناعات وکیفیۃ آلاتھا۔ [2]	اللہ نے آدم کو اشیار کی ذات خواص اور نام نیز علم کے اصول صنعتوں کے قوانین اور آلات کی کیفیت الہام کی۔
علمہ صفات الاشیاء ونعوتھا وخواصھا۔ [3]	اللہ نے آدمؑ کو اشیار کی صفت اور ان کے خواص سکھائے۔

علم سے کبھی اجمالی علم مراد لیا گیا ہے جس سے خصوصیت و صلاحیت کی طرف اشارہ ہے:

علماً اجمالیا ولیس المراد العلم التفصیلی [4]	اجمالی علم مراد ہے نہ کہ تفصیلی۔

نوری امتزاج کے عمل کی جگہ غالباً تحت الشعور ہے

نوری امتزاج کے عمل کی جگہ غالباً تحت الشعور ہے جو شعور سے کہیں زیادہ بڑا اور انسان کے جذبات وخواہشات کا سرچشمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آدم وحوّا نے جب تحت الشعوری جذبۂ خواہش کے تحت حکم عدولی کی اور اس درخت کے قریب گئے جس کے قریب جانے سے انھیں روکا گیا تھا تو اس فعل کو وہ شعور نہ برداشت کرسکا جو نوری امتزاج کے باعث ابھرا تھا اور دونوں کو یہ کہنے پر آمادہ کردیا:۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔ [5]

"اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہمارے اوپر رحم نہ کریں گے تو ہمارے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے۔"

---

[1] سورۂ بقرہ آیت ۳۱۔ [2] قاضی عبداللہ، تفسیر بیضاوی، بقرہ آیت ۳۱۔ [3] رازی تفسیر کبیر بقرہ آیت ۳۱۔ [4] قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری بقرہ آیت ۳۱۔ [5] الاعراف پارہ ۸ آیت

ظاہر ہے کہ اس ابتدائی زندگی میں نوری امتزاج کے علاوہ شعور کے ابھرنے کا کوئی اور ذریعہ و تجربہ نہ تھا۔

روح میں نوری امتزاج

"احسن تقویم" میں نوری امتزاج کا عمل طبعی خواص کو بارآور بنانے کی قدرتی کوشش ہے اس بنا پر اس کا اثر کسی ایک "مجرد توانائی" تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام طبعی توتوں تک وسیع ہوتا ہے۔ مثلاً روح میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے:

وَ یسئلونک عن الرّوح قل الرّوح من امر ربی و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔[1]

"لوگ آپؐ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپؐ کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم، بہت تھوڑا علم دیے گئے ہو۔"

آیت میں نورانی حقیقت کی تعبیر "امر رب" سے کی گئی ہے جس کے ادراک کے لیے انسان کے سرمایۂ علم کو ناکافی قرار دیا گیا ہے۔ اس صورت میں لفظ من عربی قاعدہ کے مطابق تبعیضیہ ہوگا لیکن اس سے معنیٰ و مفہوم میں کوئی خرابی نہ ہوگی جیسا کہ روح المعانی میں ہے:

من امر ربی وکلمة من بعضیة وقیل بیانیة۔[2]

"من امر ربی میں کلمۂ تبعیضیہ ہے اور بعضوں نے بیانیہ کہا ہے۔"

ابوالبقاء کہتے ہیں:

ان الروح هی الجوهر العلوی الذی قیل فی شانه قل الروح من امر ربی یعنی انه موجود بالامر۔[3]

"روح وہ جوہر علوی ہے جس کی شان میں قل الروح من امر ربی کہا گیا ہے یعنی وہ "امر" سے موجود ہے۔

پھر اس کے بعد ہے:

فبالامر توجد الارواح وبالخلق توجد الاجسام المادیة۔[4]

---

[1] بنی اسرائیل آیت ۸۵۔ [2] سید محمد آلوسی روح المعانی ج ۵ ا بنی اسرائیل آیت ۸۵۔ [3] ابوالبقا حسینی کلیات ابی البقا فصل الرا۔ [4] ایضاً۔

"امر سے ارواح (غیر مادی) کا وجود ہوتا ہے اور خلق سے مادی اجسام کا وجود ہوتا ہے۔"

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

"انسان کی روح میں ایک لطیفۂ نورانی ہے جس کو طبعی طور پر اللہ کی طرف سے ویسی ہی کشش ہے جیسی لوہے کو مقناطیس کی طرف ہوتی ہے یہ بات وجدان سے معلوم ہوتی ہے۔"[1]

دوسری جگہ ہے:

ھی کرۃ من عالم القدس[2]

"وہ عالم قدس کی طرف ایک روشن دان ہے۔"

عقل میں نوری امتزاج

عقل میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت عہد فطرت والی آیت اعتراف ربوبیت میں گذر چکا۔[3] جس کی تشریح حضرت ابی بن کعبؓ سے یہ منقول ہے:

جمعھم فجعلھم ازواجا ثم صورھم فاستنطقھم فتکلموا ثم اخذ علیھم العھد والمیثاق۔[4]

"اللہ نے ان کو جمع کیا۔ جوڑے جوڑے بنائے، ان کو گویائی دی، انھوں نے کلام کیا پھر اُن سے عہد وپیمان لیا۔"

محدثین نے فاستنطقھم (ان کو گویائی دی) کی یہ تشریح

خلق فیھم العقل وطلب منھم النطق۔[5]

"اللہ نے ان میں عقل پیدا کی اور ان سے گویائی طلب کی۔"

اسی آمیزش کی بناء پر راغب اصفہانی نے عقل کا یہ ثمرہ بیان کیا ہے:

من اشرف ثمرۃ العقل معرفۃ اللہ وحسن طاعۃ والکف عن معصیۃ۔[6]

"عقل کا اشرف ثمرہ اللہ کی معرفت، اس کی حسنِ طاعت اور اس کی معصیت سے رکنا ہے۔"

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

---

[1] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ باب الایمان باب العبادۃ حق اللہ تعالیٰ الخ [2] ایضاً، باب حقیقۃ الروح۔ [3] سورہ اعراف آیت ۲۷۔ [4] مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر الفصل الثالث۔ [5] مرقاۃ حاشیہ کتاب الایمان بالقدر۔ [6] راغب اصفہانی الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ۔

العقل له وجهان وجه يميل الى البدن ووجه يميل الى التجرّد ۔ [1]

" عقل کے دو رُخ ہیں ایک بدن واعضا (مادّیات) کی طرف ہے اور دوسرا ان سے خالص (نورانیت) کی طرف ہے۔

قلب میں نوری امتزاج

قلب میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے:

واعلموا ان الله يحول بين المرء وقلبه ۔ [2]

" اور یقین رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان ہے "

اسی آمیزش کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب کے فیصلہ پر اعتماد ظاہر فرمایا۔

البرّ ما اطمأن اليه القلب [3]

" نیکی وہ ہے جس سے دل کو اطمینان ہو۔"

امام غزالیؒ کہتے ہیں:

والقلب باصل الفطرة صالح لقبول آثار الملك ولقبول آثار الشيطان صلاحا متساويا ليس يترجح احدهما على الآخر ۔ [4]

" قلب اصل فطرت کے لحاظ سے فرشتے اور شیطان دونوں کے آثار قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ان میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے "

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:

ان القلب له وجهان وجه يميل الى البدن وجه يميل الى التجرد ۔ [5]

" قلب کے دو رُخ ہیں ایک بدن واعضاء کی طرف ہے اور دوسرا ان سے خالص (نورانیات کی طرف ہے "

نفس میں نوری امتزاج

نفس میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے:

يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية ۔ [6]

---

[1] ولی اللہ حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲، المقامات والاحوال۔ [2] سورۂ انفال آیت ۲۴۔ [3] امام احمد، مسند احمد ج ۴ من حدیث ابی ثعلبۃ الخشنی۔ [4] الغزالی احیاء العلوم ج ۳ بیان تسلط الشیطن علی القلب بالوساوس [5] ولی اللہ حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ المقامات والاحوال۔ [6] سورۂ فجر آیت ۲۷۔

"اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف چل تو اس سے راضی ہے وہ تجھ سے راضی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء سے بھی ثبوت ملتا ہے:

اللھم آت نفسی تقوٰھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا ومولٰھا۔[1]

"اے اللہ میرے نفس کو اس کا تقویٰ عنایت فرما، اور آپ اس کا تزکیہ کر دیجیے، آپ تزکیہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں اور آپ ہی اس کے ولی و کارساز ہیں۔"

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

ایدالمطمئنۃ بجنود عدیدۃ فجعل الملک قرینھا۔[2]

"اللہ نے نفس مطمئنہ کی متعدد لشکروں سے مدد کی اور فرشتہ کو ہمنشیں بنایا۔"

نوری امتزاج کے بعد نوعیت میں تبدیلی

نورانی امتزاج کے بعد ان طبعی قوتوں کی نوعیت بدل جاتی اور ان کے ذریعہ انسان کی بناوٹ میں وہ قدریں نقش ہو جاتی ہیں جو مادی فطرت کہلاتی اور زندگی میں اعلیٰ صفات کا مظہر بنتی ہیں جیسا کہ اس کا ثبوت قرآن حکیم کی ان آیتوں میں ہے:

ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنٰہ سمیعا بصیرا انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا۔[3]

"کیا زمانہ میں انسان پر ایسا وقت گذرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ ہم نے انسان کو پانی کے ایک مخلوط بوند سے پیدا کیا اس کو الٹتے پلٹتے رہے یہاں تک کہ ہم نے اس کو دیکھنے سننے والا بنا دیا ہم نے اس کو راہ سمجھا دی چاہے شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا بنے۔"

---

[1] مسلم و مشکوۃ باب الاستعاذۃ الفصل الاول۔ [2] ابن قیم کتاب الروح المسالۃ الحادیۃ والعشرون۔
[3] سورۂ دہر۔ آیت ۱ تا ۳۔

ان آیتوں میں تخلیق و زندگی کے ابتداء کا ذکر ہے اور اس میں سمیع و بصیر (سننے والا اور دیکھنے والا) انسان کی تمام اعلیٰ قدروں کی نہایت جامع تعبیر ہے جس میں نیکی و بدی کا شعور، خیر و شر میں امتیاز اور ضمیر کی بیداری وغیرہ بھی شامل ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔ [1]

"ہم نے اس کی برائی اور پرہیزگاری الہام کر دی"۔

بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ۔ [2]

"بلکہ انسان اپنے اوپر خود گواہ ہے خواہ وہ کتنے ہی عذر پیش کرے"۔

لا اقسم بالنفس اللوامۃ [3]

"میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں"۔

امتزاج کے بعد پوری اعلیٰ قدروں کے نقوش ترتیب کچھ اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ پہلے اجزائے ترکیبی کے خواص وجود میں آئے جن کو بار آور بنانے کے لیے نوری امتزاج کا عمل ہوا پھر طبعی قوتوں کی نوعیت بدلی اور اعلیٰ قدروں کے نقوش ثبت ہوئے، پھر نور روح کے ذریعہ نقوش کا نوری پیکر تیار ہوا جو دین فطرت کہلاتا ہے یہ دین فطرت مبادی فطرت کے اس طرح مطابق ہے کہ انسان کی بناوٹ میں جو نقوش پوشیدہ تھے دین نے انھیں کے مطابق نوری پیکر تیار کیا جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیت میں دونوں کا ذکر ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ [4]

"تم یکسو ہو کر دین کی طرف رُخ سیدھا کرو، یہی اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسی بناء پر کہا جاتا ہے:

---

[1] سورۂ شمس آیت ۱۰۸۔ [2] سورۂ قیامت آیت ۱۰۸۔ [3] سورۂ قیامہ آیت ۲۔
[4] سورۂ روم، آیت ۳۰۔

فالانسان بفطرته مامور باوامر الفطرة۔ [1]

"انسان اپنی فطرت کے مطابق فطرت کے احکام پر مامور ہے۔"

فالدین الفطری یامر ویںھی ما تأمر وتنہی عنه الفطرة۔ [2]

"فطری دین انھیں باتوں کا حکم دیتا اور انھیں سے منع کرتا ہے جن کا فطرت حکم دیتی اور جن سے فطرت منع کرتی ہے۔"

قدرت کی اس صناعی کا ادنیٰ نمونہ پھل، پھول اور سبزیوں کے پودوں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ پہلے ان کی جڑیں پانی ونمکیات زمین سے کھینچتی ہیں پھر تنہ کے ذریعہ ان کو سبز پتوں تک پہنچاتی ہیں۔ پھر سبز پتیاں سورج کی روشنی کی مدد سے ان کو خوراک میں تبدیل کرتی ہیں۔ اس طرح گویا پہلے طبعی خواص نے "عروق" نور فطرت سے کھینچا جن کو طبعی قوتوں کے ذریعہ نقوش تک پہنچایا گیا۔ پھر نور وحی کے ذریعہ ان نقوش کے مطابق نوری پیکر تیار ہوا جو انسانیت کے لیے فراہمیٔ غذا کا کام انجام دیتا ہے۔

اعلیٰ قدروں کے نقوش سبھی میں ہوتے ہیں

اعلیٰ قدروں کے نقوش سبھی انسانوں کی بناوٹ میں پیوست ہوتے ہیں خواہ وہ نور وحی سے فیضیاب ہوئے ہوں یا محروم رہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر دور، زمین کے ہر خطّہ اور انسانوں کی ہر نسل میں کچھ نہ کچھ قدریں پائی جاتی رہی ہیں مثلاً سچائی، دیانتداری، مظلوموں کی دادرسی، مسکینوں کی خبرگیری، انسانوں کے ساتھ ہمدردی وحسنِ سلوک وغیرہ۔

قرآن حکیم نے ان قدروں کی تعبیر عرف ومعروف سے کی ہے جس کے معنی جانی پہچانی بات کے ہیں:

وسمی الله هذا الامر الفطری فی القرآن المعروف۔ [3]	اللہ نے قرآن میں اس امر فطری کا نام معروف رکھا ہے۔

مفسرین نے یہ معنیٰ بیان کیے ہیں:

---

[1] المعلم عبدالحمید فراہی القائد الی عیون العقاید۔ ص ۱۲۱۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۶۴۔ [3] المعلم عبدالحمید فراہی۔ القاید الیٰ عیون العقاید ص ۱۲۱۔

هو ما تعارفه الناس من الخیر[1] | خیر و بھلائی کی وہ باتیں جن سے لوگ متعارف ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے۔

والمعروف هو ما حسن فی العقل والشرع[2] | معروف وہ ہے جس کی شرع اور عقل تحسین کرے۔

ابوبکر رازیؒ نے زندگی کی تمام جہات کے لیے اس کلمہ کو جامع قرار دیا ہے۔

کلمۃ جامعۃ لجمیع جهات الامر بالمعروف[3] | امر بالمعروف کی تمام جہتوں کے لیے یہ کلمہ جامع ہے۔

قرآن حکیم نے انھیں قدروں کا "نوری پیکر تیار کیا ہے جو دین کے نام سے موسوم ہے اور جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

فطرة فطر الله الناس علیها ولن تجد لفطرة الله تبدیلا ولیس ذلك الا فی اصول البر والاثم وکلیاتها دون فروعها وحدودها وهذه الفطرة هو الدین الذی لا یختلف باختلاف الاعصار والانبیاء کلهم مجمعون علیه۔[4]

وہ فطرت جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا اس میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پائیں گے اور یہ صرف نیکی و بدی کے اصول اور ان کے کلیات میں ہے فروع اور تفصیلات میں نہیں ہے۔ یہی فطرت وہ دین ہے جو زمانوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام اس پر متفق ہیں۔

<u>قرآن کا تیار کیا ہوا نوری پیکر</u> | قرآنِ حکیم نے جو نوری پیکر تیار کیا ہے وہ ان اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) ایمان و اعتقاد

(۲) طہارت و پاکی

(۳) عبادت و طاعت

(۴) نیکی و بدی

---

[1] محمد عبدہ مصری تفسیر المنار، ج ۹ ص ۲۹۱

[2] ابوبکر جصّاص احکام القرآن ج ۲ ص ۳۱

[3] ابوبکر رازی تفسیر کبیر جزء رابع ص ۳۰۱ و ۳۰۲

[4] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ باب اقتضاء التکلیف والمجازاۃ

(۵) اور پاکیزگی و گندگی۔

ایمان و اعتقاد | (۱) ایمان و اعتقاد سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً ہر قسم کی خوبیوں کے ساتھ اللہ کو متصف سمجھنا۔ ان باتوں سے اللہ کی پاکی بیان کرنا جو اس کی شان کے مناسب نہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ تمام حوادث سے پہلے اللہ کے علم میں ایک اندازہ مقرر ہے۔ اللہ کے فرشتے ہیں جو اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا رسول بنایا اور کتاب دی، قیامت، مرنے کے بعد کی زندگی، جنت و دوزخ سب حق ہیں۔

طہارت و پاکیزگی | (۲) طہارت و پاکی سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً جسم و لباس کو گندگی و میل کچیل سے پاک و صاف رکھنا قلب و دماغ کو ہر قسم کی آلودگیوں اور آلائشوں سے دور رکھنا نفس و شرمگاہ کو کثافتوں و غلط کاریوں سے محفوظ رکھنا، زبان، آنکھ، کان، وغیرہ کو غلط استعمال سے بچانا۔

عبادت و طاعت | (۳) عبادت و طاعت سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً اللہ کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کرنا۔ چہرہ اور دل اس کے سپرد کرنا، خالص اسی کی عبادت و طاعت کو اپنے اوپر فرض سمجھنا، شعائر (خالص اللہ کی یادگار) کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا عبادت و اطاعت میں غیر کی شرکت کو حرام سمجھنا اور اس کو نفع و ضرر کا مالک و مختار سمجھنا۔

نیکی و عمل کی سچائی | (۴) نیکی و بدی سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً دل کی پاکی و عمل کی سچائی جس کے لیے محض ضابطہ کی خانہ پری کافی نہیں بلکہ اللہ سے مستقل ربط و تعلق ضروری ہے، نیکی زندگی کے کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق زندگی کے تمام گوشوں سے ہے۔ کمال نیکی حاصل کرنے کے لیے اپنی پسندیدہ چیزوں کی قربانی لازمی ہے۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنی۔

پاکیزگی و ستھرائی | (۵) پاکیزہ و گندی چیزوں سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً پاکیزہ و گندی چیزیں برابر نہیں ہیں ایک کو دوسرے سے بدلنے کی اجازت نہیں، گفتگو، تعلقات، روزی، زندگی اور اولاد وغیرہ ہر ایک میں پاکیزگی کو اختیار کرنا اور گندگی سے دور رہنا۔

ان اجزاء کی اجمالی نمائندگی (نوری پیکر تیار ہونے سے پہلے) انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں بھی موجود ہوتی ہے جو فطرت کی آواز ہوتی اور "نقوش" کے لیے عملی ثبوت فراہم کرتی ہے۔

فطرت کی لوح سادہ و بے نقش ہونے کی تردید | مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں یہ نظریہ صحیح نہیں معلوم ہوتا

کہ فطرت کی لوح سادہ و بے نقش و نگار ہے اس میں جو کچھ ہے وہ صرف ماحول و عادت کا پیدا کردہ ہے اس نظریہ کی تردید زندگی کے ابتدائی خطابات سے بھی ہوتی ہے جب کہ ماحول و عادت نے جڑ نہیں پکڑا تھا۔ وہ یہ ہیں۔

یٰبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا ولباس التقوٰی ذلک خیر ذلک من ایٰت اللہ لعلھم یذکرون یٰبنی آدم لا یفتننکم الشیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوأتھما انہ یرٰکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم انا جعلنا الشیٰطین اولیاء للذین لا یؤمنون یٰبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین یٰبنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایٰتی فمن اتقٰی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کذبوا بایٰتنا واستکبروا عنھا اولئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون۔[لہ]

”اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے لیے ستر پوشی بھی ہے اور زینت بھی۔ مزید براں تقوٰی کا لباس ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہے یہ اللہ کی آیات میں سے ہے تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔

اے اولاد آدم، شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا ان کے باس اتروا کر کہ ان کے سامنے بے پردہ کردے۔ وہ اور اس کا جتھ تم کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔ ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان سے محروم ہیں۔“

اے اولاد آدم ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنے لباس پہنو اور کھاؤ پیو البتہ اسراف نہ کرو اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس تمھیں میں سے رسول آئیں تم کو میری آیات سنائیں اور جو ڈرا اور جس نے اصلاح کر لی ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو میری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبر کرکے ان سے اعراض کریں گے وہ دوزخ والے ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی ہدایتیں ابتدائی مرحلہ میں بے نقش و نگار لوح کو نہیں دی جا سکتی ہیں اسی طرح یہ نظریہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ انسان ابتدا میں خیر و بھلائی حق و عدل تقوٰی و طہارت وغیرہ سے بالکل ناواقف تھا ایک طویل فکری و اخلاقی سفر کے بعد ان اقدار تک اس کی رسائی ہو سکی ہے اس کی تردید آدمؑ کے

لہ سورۂ اعراف آیت ۲۶۔ ۲۷۔ ۳۱۔ ۳۵۔

دو بیٹے ہابیل وقابیل کی سرگذشت سے بھی ہوتی ہے کہ ابتدا میں نہ صرف ان قدروں کا تصور موجود تھا بلکہ ان کا عملاً ظہور ہو رہا تھا وہ یہ ہے۔

واتل عليهم نبأ ابني آدم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدهما ولم يتقبل من الاخر قال لاقتلنك قال انما يتقبل الله من المتقين، لئن بسطت الي يدك لتقتلني ما انا بباسط يدي اليك لاقتلك اني اخاف الله رب العلمين اني اريد ان تبوأ باثمي واثمك فتكون من اصحب النار وذلك جزاء الظلمين فطوعت له نفسه قتل اخيه فقتله فاصبح من الخسرين فبعث الله غرابا يبحث في الارض ليريه كيف يواري سوأة اخيه قال يويلتى اعجزت ان اكون مثل هذا الغراب فاواري سوأة اخي فاصبح من الندمين [1]

"اور ان کو آدمؑ کے دو بیٹوں کی سرگذشت حق کے ساتھ سنائیے جب کہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہیں قبول ہوئی۔ اس (قابیل) نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس (ہابیل) نے جواب دیا کہ اللہ تو اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر دست درازی کرو گے تو میں تم کو قتل کرنے کے لیے تم پر دست درازی کرنے والا نہیں ہوں میں اللہ رب العزت سے ڈرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میرا گناہ اور اپنا گناہ تمھیں سمیٹ لو اور جہنم والوں میں سے ہو جاؤ یہی سزا ظلم کرنے والوں کی ہے۔ بالآخر اس (قابیل) کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا اور وہ اس کو قتل کر کے خسارہ پانے والوں میں ہو گیا، پھر اس کے بعد اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین میں کریدتا تھا تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ اس (قابیل) نے کہا کہ ہائے میری کم بختی کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو ڈھانک دیتا۔ غرض کہ وہ اس پر شرمندہ ہوا۔"

اس سرگذشت سے ایمان باللہ، خوف خدا، اخلاص وتقویٰ، حق وعدل، عزت کی حفاظت، جان کا احترام، قربانی، ندامت اور ضمیر کی بیداری کا ثبوت ملتا ہے، جس کے لیے طویل فکری واخلاقی سفر کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

دین کی ابتدا شرک سے ہونے کی تردید اسی طرح یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ دین کا آغاز شرک سے ہوا اور بتدریج ترقی کرتے کرتے انسان توحید تک پہنچا بلکہ صحیح یہ ہے کہ دین کا آغاز توحید سے ہوا۔ یہی اس کی فطرت کی صدا ہے، جیسا کہ عہدِ فطرت والی آیت میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار ہے جس سے اس کا ثبوت فراہم

کیا گیا اور آدم کے دونوں بیٹوں کی سرگذشت میں اس کی تائید موجود ہے پھر بعد کی آیتوں میں عہدِ فطرت کی جو وجہ بیان کی گئی ہے اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔

ان تقولو یوم القیمۃ انا کنا عن ھذا غفلین او تقولو ا انما اشرك اباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعد ھم افتھلکنا بما فعل المبطلون[1]

یہ ہم نے اس لیے کیا کہ شاید قیامت کے دن تم یہ عذر کرنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر ہی رہے یا یہ عذر کرو کہ ہمارے باپ دادا نے پہلے سے شرک کیا ہم ان کے بعد ان کے اولاد ہوئے تو کیا باطل پرستوں کے عمل کی پاداش میں آپ ہم کو ہلاک کریں گے۔

دین کی ابتدا حیرت وخوف کے جذبے سے ہونے کی تردید | اسی طرح یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ دین کی ابتدا حیرت وخوف کے جذبہ سے ہوئی کہ جب انسان کو خوفناک وڈراؤنی چیزوں سے اپنے تحفظ کی ضرورت ہوئی تو ان کو راضی کرنے کے لیے خوشامد ولجاجت کی ضرورت پیش آئی۔ یہیں سے پوجاپاٹ کی داغ بیل پڑی اور مختلف چیزوں کی پرستش شروع ہوگئی، بلکہ یہ صحیح ہے کہ دین کی ابتدا تعظیم ومحبت کے جذبہ سے ہوئی کہ جس نے انسان کو منعم کی شکرگذاری وفرماں برداری پر آمادہ کیا اس کا ثبوت عہد فطرت والی آیت میں اقرار ربوبیت سے ہوتا ہے جو بجائے خود مربیؔ سے انس ومحبت اس کی تعظیم وتکریم اور اس کی فرماں برداری وشکرگذاری کی طرف دعوت ہے۔ قرآنی لغت میں رب کے یہ معنیٰ بیان کیے گئے ہیں۔

ھو انشاء الشیء حالا فحالا الی حد التمام[2]

کسی شے کو مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق نشوونما دیتے رہنا کہ وہ حد کمال تک پہنچ جائے۔

اقرار اللہ کے بجائے اقرار ربوبیت کی توجیہ | مفسرین نے اللہ کے اقرار کے بجائے رب کے اقرار کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اہلِ عرب کو اللہ کے اللہ ہونے سے انکار نہ تھا بلکہ رب انھوں نے اللہ کے سوا اور بھی بنالیے تھے یہ توجیہ بھی صحیح ہے لیکن اس سے زیادہ گہری اور جامع حقیقت یہ ہے کہ قرآن جس طرح اہل عرب کے لیے ہے اسی طرح ہر جگہ کے لیے ہے اس میں ان تمام نظریات کی تردید موجود ہے جو وقتاً فوقتاً ایجاد ہوتے رہتے اور انسان کی خالص فطرت اور اس کی صدا کو داغدار بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

شاکلہ کی تحقیق | (۲) حسن تقویم“ میں نورِ فطری وذوقِ طبعی کے خواص سے جو معنوی صورت (نیچرل کانسٹی ٹیوشن) ترکیب پائی ہے اس کا نام شاکلہ اور جبلّت ہے۔

---

[1] سورۂ اعراف۔ آیت ۱۷۲-۱۷۳۔ [2] راغب اصفہانی۔ المفردات۔

قرآنِ حکیم میں دونوں کا تذکرہ "معنوی صورت" ہی کے مفہوم میں ہے۔ چنانچہ :۔

قل کل یعمل علی شاکلتہ۔[1] — ہر ایک اپنی شاکلہ پر کام کرتا ہے۔

لفظ "شاکلہ" شاکل کی مؤنث ہے جس کے لغوی معنی مثل، نظیر، مشابہت، مسلک، مذہب طریقہ وغیرہ ہیں[2]

عربی محاورہ ہے :۔

لست علی شکلی ولا علی شاکلتی۔ — تو میرے مسلک اور میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

فیہ شکلۃ او شاکل من ابیہ۔ — اس میں اپنے باپ سے مشابہت ہے۔

ھذا علی شاکلۃ ابیہ ای شبھہ — یہ اپنے باپ کے مشابہ ہے

قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں "شاکلہ" اس پیدائشی بناوٹ یا معنوی صورت کو کہتے ہیں جو نورِ فطری اور ذوقِ طبعی کے خواص سے ترکیب پاتی اور سعادت و شقاوت دونوں قوتوں کی حامل ہوتی ہے۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں :۔

علی شاکلتہ ای سجیّتہ التی قیدتہ وذلک ان سلطان السجیّۃ علی الانسان قاھر۔[3] — اپنی شاکلہ پر یعنی اس بناوٹ پر جس کا تونے اس کو مقید کیا کیونکہ انسان پر بناوٹ کی حکومت غالب ہے۔

"سجیّۃ" کے معنی خلقت، طبیعت اور ملکہ ہیں۔

ھی الملکۃ الراسخۃ فی النفس التی لا یقبل الزوال بسھولۃ۔[4] — "سجیہ" نفس میں ایک مضبوط ملکہ ہے جو آسانی سے زوال نہیں قبول کرتا ہے۔

روح المعانی میں سید محمد آلوسیؒ بغدادی نے بھی شاکلہ کے یہی معنیٰ بیان کیے ہیں۔[5]

قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں۔

کل واحد یعمل علی طریقۃ التی تشاکل جوھر روحہ واحوالہ التابعۃ لمزاج بدنہ[6] — ہر شخص اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جو جوہرِ روح اور مزاجِ بدن کی حالتوں سے مشابہت رکھتا ہے۔

---

[1] بنی اسرائیل، آیت ۸۴۔ [2] محمد مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس ودیگر کتب لغت۔ [3] راغب اصفہانی، المفردات فی غرائب القرآن۔ [4] زبیدی۔ تاج العروس فصل السین۔ [5] محمود آلوسی بغدادی روح المعانی بنی اسرائیل، آیت ۸۴۔ [6] قاضی ناصرالدین بیضاوی بنی اسرائیل، آیت ۸۴۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں :

علی شاکلتہ ای طریقۃ التی جبل علیہ۔[1] — اپنے اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جس پر اس کی جبلت کی گئی ہے۔

شاکلہ کے اور معنی بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً :

(۱) وہ طریقہ اور مسلک جو ہدایت و ضلالت میں اس کی حالت کے مشابہ ہے۔[2]

(۲) وہ عادتیں جن پر انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔[3]

(۳) وہ طریقہ اور روش جس پر انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔[4]

یہ سب معنی شاکلہ کے اصطلاحی مفہوم سے لیے گئے ہیں جو اس کے خلاف نہیں ہیں۔

جبلّت کی تحقیق | جبلّت کا ذکر اس آیت میں ہے۔

واتقوا الذی خلقکم والجبلّۃ الاوّلین[5] — ڈرو تم اس سے جس نے تم کو پیدا کیا اور اگلی مخلوق کی جبلت کو پیدا کیا۔

جبلّت کے لغوی معنی خلقت، طبیعت اصل اور اس حالت کے ہیں کہ جس پر بنایا گیا ہے۔[6] مفہوم کے لحاظ سے جبلّت و شاکلہ دونوں ایک ہی ہیں۔

ای المجبولین علیٰ احوالھم التی بنو علیھا وسبلھم التی قیّضوا لسلوکھا؛ لمشار الیھا بقولہ تعالیٰ قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ[7] — وہ جن کی پیدائش ان احوال پر ہوئی جن پر وہ بنائے گئے اور ان راستوں پر ہوئی جن پر چلنا مقرر کیا گیا اللہ کے قول "قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ" میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

تاج العروس زبیدی کی بھی یہی عبارت ہے[8] اور روح المعانی (محمود آلوسی) میں یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔[9]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہی مراد ہے۔

---

[1] ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ باب اختلاف الناس فی جبلتہم المستوجبہ۔ [2] محمد طاہر پٹنی مجمع البحار، قاضی بیضاوی وتفسیر بیضاوی بنی اسرائیل آیت ۸۴۔ [3] احکام القرآن للجصاص ج ۳ بنی اسرائیل آیت ۸۴۔ [4] ابوحیان اندلسی البحر المحیط بنی اسرائیل آیت ۸۴۔ [5] سورۂ شعراء آیت ۸۴ [6] ابن منظور لسان العرب سعید الخوری الشرتولی اللبنانی اقرب الموارد۔ [7] راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن [8] زبیدی تاج العروس فصل الجیم مع اللام۔ [9] محمود آلوسی۔ روح المعانی سورۂ شعراء آیت ۸۴۔

اللھم انی اسئلک من خیرھا وخیر ما جبلتھا علیہ واعوذبک من شرھا وشر ما جبلتھا علیہ [1]

اے اللہ میں آپ سے اس عورت کی بھلائی اور ان چیزوں کی بھلائی مانگتا ہوں جن کو آپ نے اس کی بناوٹ میں رکھا اور پناہ مانگتا ہوں اس عورت کے شر اور ان چیزوں کے شر سے جن کو آپ نے اس کی بناوٹ میں رکھا۔

موقع کے لحاظ سے مذکورہ آیت میں جبلّت کے دوسرے معنی بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً عدد کثیر، جماعت کثیرہ دس ہزار کی جماعت اگلی مخلوق وغیرہ۔[2] لیکن اصل مفہوم خلقت، طبیعت، بناوٹ کا لحاظ سب میں پایا جاتا ہے۔

اس تشریح سے ظاہر ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے شاکلہ اور جبلّت دونوں ایک ہیں اور دونوں کا مفہوم انسان کی وہ پیدائشی بناوٹ یا معنوی صورت (نیچرل کانسٹی ٹیوشن) ہے جو نور فطری اور ذوق طبعی کے خواص سے ترکیب پاتی اور سعادت و شقاوت دونوں قوتوں کی حامل ہوتی ہے۔

پیدائشی عمل کی قوت محرکہ | یہی انسانی جبلت ہے جو پیدائشی عمل کی قوت محرکہ بنتی ہے اور جس میں انسانی خصوصیات ابتدا ہی سے موجود ہوتی ہیں۔ اس سے یہ نظریہ غلط ہو جاتا ہے کہ انسان میں پیدائش عمل کی قوت محرکہ حیوانی جبلت ہے جس میں انسانی خصوصیات حیوانیت سے ارتقاء کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوئی ہیں جیسا کہ اس کی تردید زندگی کے ابتدائی خطاب اور ہابیل وقابیل (آدمؑ کے دو بیٹوں) کی سرگذشت سے اوپر ہو چکی ہے اور خطاب و سرگذشت سے بھی پہلے خلافت آدم کے واقعہ سے مزید تر دید ہوتی ہے۔ چنانچہ خلافت کے لیے آدمؑ کا انتخاب علم کے ذریعہ مقابلہ کے امتحان میں کامیابی، نتیجہ میں فرشتہ جیسی مخلوق کا عجز واعتراف، آدمؑ کو مسجود ملائک بنانا، شیطان کو راندۂ درگاہ کرنا، آدمؑ وحوّا کو ٹریننگ کے لیے جنت میں رکھنا، درخت کے قریب جانے سے روکنا۔ خلاف ورزی کی صورت میں "فتکونا من الظالمین"[3] (ظالموں میں سے ہو جاؤ گے) —— کی وعید سنانا۔ توبہ کی طرف متوجہ ہونا، دعا رد استغفار کے کلمات سیکھنا، توبہ قبول ہونا اور جنّت سے روانگی کے وقت اِن باتوں سے آگاہ کرنا۔

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب جامع النکاح۔ [2] ابن جریر طبری جامع البیان فی تفسیر القرآن سورۂ شعراء آیت ۸۴، محمود آلوسی روح المعانی سورۂ شعراء آیت ۱۸۴۔

[3] بقرہ، آیت ۳۵۔

(۱) انسان سے شیطان کی دشمنی جاری رہے گی۔ بعضکم لبعض عدو[1]۔ (تم انسان و شیطان ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔)

(۲) دنیا میں ایک مدت معینہ تک رہنا ہے (ہمیشہ نہیں رہنا۔)

(۳) اس مدت میں وہاں کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔ (بیکار نہیں رہنا ہے۔)

ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین[2] — تمہارے لیے ایک مدت معینہ تک زمین میں رہنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

یہ سب انتظام و اہتمام ان خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں جو ابتداء ہی سے انسان میں موجود تھیں۔ کسی ارتقاء کے نتیجہ کی محتاج نہ تھیں۔

اسی طرح جنت سے روانگی کے پہلے ہی مرحلہ میں ہدایت و ضلالت کا تذکرہ۔ رہنمائی کے لیے روشنی (وحی) بھیجتے رہنے کا وعدہ اور روشنی کی قدر شناسی و ناقدری پر اچھے برے نتائج سے آگاہی بجائے خود اس دلالت کے لیے کافی ہیں کہ سعادت و شقاوت کی دونوں قوتیں پیدائشی بناوٹ ہی میں پیوست ہیں بعد کے کسی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہیں۔ چنانچہ:

قلنا اھبطوا منھا جمیعًا فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کفروا وکذبوا بایتنا اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون[3]

"ہم نے کہا تم سب یہاں سے اترو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے میری آیتوں کو وہی دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

ذوق طبعی و نور فطری کے اثرات | "احسن تقویم" میں انسانی جبلت کی تکوین ذوق طبعی (اجزائے ترکیبی کے خواص سے تیار ہوتا ہے) اور نور فطری (اللہ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے) دونوں کے خواص سے ہوتی ہے اور زندگی میں دونوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

الذی احسن کل شیئ خلقه وبدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سللة من ماء مھین

"اللہ نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی اس نے انسان کی پیدائش کا آغاز مٹی سے کیا پھر اس کی نسل حقیر و بے قدر پانی کے

---

[1] بقرہ، آیت ۳۶۔ [2] بقرہ، آیت ۳۷۔ [3] سورۂ بقرہ، آیت ۳۸۔ ۳۹۔

ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون[1]

ست (خلاصہ) سے چلائی پھر اس کو تکمیلی مرحلہ سے گذارا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لیے کان آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی تھوڑا شکر کرتے ہو۔"

دوسری جگہ ہے:۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلنہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظم لحما ثم انشأنہ خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین[2]

"ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (ست) سے پیدا کیا پھر ہم نے اس کو پانی کی بوند کی شکل دے کر ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔ پھر اس کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کی شکل دی پھر اس کو گوشت کے ٹکڑے میں تبدیل کیا، پھر اس میں ہڈیاں پیدا کیں پھر ہڈیوں کو گوشت کا جامہ پہنایا، پھر اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔ بڑا ہی بابرکت ہے اللہ بہترین پیدا کرنے والا۔"

آیتوں سے استدلال | ان آیتوں سے ذوقِ طبعی کی نمائندگی لفظ "طین" کرتی ہے جس سے اجزائے ترکیبی کے خواص کی طرف اشارہ ہے اور نورِ فطری کی نمائندگی لفظ "روح" کرتی ہے جس سے ان خصوصیات کی طرف اشارہ ہے جو انسان میں اجزائے ترکیبی کے ماسوا ہیں۔

لفظ "طین" میں تمام وہ اجزاء شامل ہیں جو زمینی مادہ سے ہیں اور جن کی آمیزش سے جرثومۂ حیات وتخمِ حیات وجود میں آیا اور رفتہ رفتہ پیکر کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ان اجزاء کے خواص کی طرف اشارہ سب سے پہلے فرشتوں نے ان الفاظ میں کیا تھا۔

اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء[3]

کیا آپ اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد و خوں ریزی کرے گا۔

ابنِ عربیؒ کہتے ہیں:

ھما من خواص الشھوۃ والغضب الضروری وجودھا فی تعلق الروح بالبدن[4]

فساد و خوں ریزی قوت شہوت و غضب کے خواص میں سے ہیں جن کا وجود بدن کے ساتھ روح کے تعلق میں ضروری ہے۔

غالباً ان خواص کی پستی ہی کو محسوس کر کے شیطان نے آدمؑ کے سامنے جھکنے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

---

[1] سورۂ سجدہ آیت ۶ تا ۹۔ [2] سورہ مومنون، آیت ۱۲-۱۳-۱۴۔

[3] سورۂ بقرہ، آیت ۳۰۔ [4] تفسیر ابن عربی بقرہ، آیت ۳۰۔

خلقتنی من نار وخلقتہ من طین[1] — آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس (انسان) کو مٹی سے پیدا کیا۔

حدیثوں سے استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجزاء کے خواص اور جسمی و معنوی دونوں صورت میں ان کے اثرات کا ذکر کیا ہے مثلاً آپؐ نے فرمایا:

ان اللّٰہ خلق آدم من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض منھم الاحمر والابیض والاسود وبین ذلک والسھل والحزن والخبیث والطیب[2] — بے شک اللہ نے آدم کو مٹھی بھر مٹی سے پیدا کیا جس کو زمین کے ہر حصّے سے لیا۔ اسی لحاظ سے سُرخ، سفید سیاہ اور اس کے درمیان لوگ پیدا ہوئے۔ اور اسی لحاظ سے نرم سخت ناقص اور عمدہ لوگ پیدا ہوئے۔

طیّب اور خبیث کا استعمال جس طرح اخلاقی و شرعی امور میں ہوتا ہے اسی طرح ان چیزوں میں بھی ہوتا ہے جو مادّی اعتبار سے ناقص یا عمدہ ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواص کی تاریکی و پستی کو اس طرح ظاہر فرمایا۔

ان اللّٰہ تعالیٰ خلق خلقتہ فی ظلمۃ فالقی علیھم من نورہ[3] — بے شک اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا۔

جبلّت کی تکوین میں نہ صرف یہ کہ تمام اجزاء کے خواص کو دخل ہے بلکہ جبلتوں کے باہمی اختلاف میں ان کے ناقص و عمدہ ہونے، کم و زیادہ ہونے، قوی و ضعیف ہونے، ایک کے دوسرے پر غالب آنے ایک کے دوسرے کے مقابلے میں مشتعل ہونے اور نہ معلوم کس کس بات کو دخل ہے، قاضی ثناء اللہ کہتے ہیں۔

انما اختلاف شھوات النفوس علی حسب اختلاف ثوران بعض العناصر دون بعض واختلاف طبائع الارض[4] — نفوس کی شہوتوں کا اختلاف زمین کی طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور بعض کے مقابلہ میں بعض عناصر کے مشتعل ہونے کے لحاظ سے ہے۔

ذوقِ طبعی و نورِ فطری کے علاوہ ایک اور توانائی اجزاء کے یہ خواص اور ان سے پیدا شدہ طبعی قوتیں حیوان و انسان کی جبلت میں مشترک ہیں لیکن انسانی جبلت کی تکوین میں ایک اور توانائی شامل ہے جس کے نور نے طبعی قوتوں میں نوری کرن دوڑائی، ان کو بار آور بنایا اور ان میں وہ خصوصیات بھر دیں جن کی بناء پر انسان

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۱۲۔ [2] مسند احمد و ترمذی و ابوداؤد و مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔ [3] مسند احمد و ترمذی و مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔ [4] قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری سورہ اسرا آیت ۲۴۔

خلق آخر (دوسری مخلوق جو حیوان سے بالکل مختلف ہے) میں تبدیل ہوگیا۔

ثم انشأنٰہ خلقا اٰخر[1] — پھر ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنادیا۔

اس خلق آخر کی تفسیر مفسرین سے یہ منقول ہے۔

جعلناہ خلقا مباینا للخلق الاول[2] — ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنایا جو پہلی مخلوق سے بالکل جُدا ہے۔

دوسری جگہ ہے۔

اودع کل عضو من اعضائہ عجائب فطرۃ وغرائب حکمۃ لا تحیط بھا وصف الواصفین[3] — اس دوسری مخلوق (انسان) کے ہر عضو میں فطرت وحکمت کے ایسے عجائب وغرائب ودیعت کیے کہ وصف بیان کرنے والوں کا کوئی وصف ان کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

ایک اور جگہ ہے:

ھذا ھو الانسان ذو الخصائص المتمیزۃ فجنین الانسان یشبہ جنین الحیوان فی اطوار الجسدیۃ ولکن جنین الانسان ینشاء خلقا اٰخر[4] — یہ ہی انسان ہے جس کی خصوصیتیں حیوان سے جدا ہیں انسان کا جنین اپنے جسمی اطوار وتغیرات میں حیوان کے جنین کے مشابہ ہے، لیکن انسان کا جنین دوسری مخلوق بن کر پیدا ہوتا ہے۔

توانائی کی دریافت میں ناکامی جن اجزاء (عناصر) سے طبعی قوتیں وجود میں آتی ہیں ان کی تعداد چار ہو۔ ایک سو چھ ہو یا اس سے زیادہ بھی تسلیم کرلیے جائیں یہ واقعہ ہے کہ اہم توانائی (جس کی وجہ سے انسان انسان کہلاتا ہے) کی دریافت کے لیے ابتدائی کوشش بھی اب تک نہ کی جاسکی لیکن علم وتحقیق کی دنیا سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ ماں کے پیٹ میں نشو ونما پانے والا بچہ (جنین) کے جو احوال وتغیرات قرآن حکیم نے چھٹی صدی عیسوی میں بیان کیے ہیں اور ان کے لیے جو تغیرات (نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ کی) اختیار کی ہے ان تک رسائی دنیا کو اتنا طویل وقفہ گذرنے کے بعد اب ہوسکی ہے۔ کیا عجب ہے کہ مستقبل قریب یا بعید میں کسی ایسی خارجی توانائی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑے کہ جس کی آمیزش کے بعد جنین خلق آخر (دوسری مخلوق) میں تبدیل ہوا (جب کہ ابتداء سے حیوان وانسان کے تغیرات وتطورات میں کوئی فرق نہ تھا) اور جس کو تسلیم کیے بغیر انسانی جبلت کی بعض لاینحل گتھیاں سلجھنے کی کوئی شکل نہیں معلوم ہوتی ہے۔

---

[1] سورۂ مومنون آیت ۱۴۔ [2] الفخر الرازی تفسیر کبیر المومنون آیت ۱۴۔ [3] ایضاً [4] سید محمد قطب فی ظلال القرآن المومنون، آیت ۱۴۔

توانائی کی قرآنی تعبیر | قرآن حکیم نے اس خارجی توانائی کی تعبیر "روح" سے کی ہے ظاہر ہے کہ یہ روح طبعی نہیں ہو سکتی جو حیوان و انسان میں مشترک ہوتی حتیٰ کہ جرثومۂ حیات و تخمِ حیات میں بھی موجود ہوتی ہے بلکہ یہ کوئی اور عنصر ہے جس کو "روح قدسی" کہنا مناسب ہے اور جو روح طبعی میں حلول کرنے کے بعد تمام طبعی قوتوں میں جاری و ساری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس کے جو آثار و مظاہر بیان کیے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے عناصر کی طرح یہ کوئی معمولی عنصر (توانائی) نہیں ہے بلکہ ایک زبردست "نورانی توانائی" ہے جو انسانی جبلّت میں خارج سے پیوست کر دی گئی اور جس کے بعد ہی انسان ان تمام سرفرازیوں اور صلاحیتوں کا مستحق قرار پایا کہ جن کے بغیر وہ اپنے مقام و منصب کے لائق نہ بن سکتا تھا۔ مثلاً:

ثم سوّاہ ونفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون۔[1]

پھر اس کو مکمل کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی تھوڑا شکر کرتے ہو۔

دوسری جگہ ہے:۔

فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین۔[2]

جب میں اس کو مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں تو اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑو۔

پہلی آیت میں سمع و بصر اور فؤاد ان تمام خصوصیات کی جامع تعبیر ہے جن کی بدولت ایک صاحب شخصیت ہستی وجود میں آتی اور مختلف قسم کی سرفرازیوں اور صلاحیتوں کی مستحق قرار پاتی ہے۔ یہ تینوں (سمع، بصر، فواد) حیوان و انسان میں مشترک ہوتے ہیں۔ لیکن نورانی توانائی (روح) سے پہلے ان میں کوئی ایسی خصوصیت نہ تھی جو انسان کو ممتاز بنا دے۔

دوسری آیت میں فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا ہے جس میں تمام وہ زمینی مخلوق شامل ہے جو فرشتوں کی عملداری میں ہے، اسی بنا پر شیطان کے انکار کرنے پر اس کی گرفت ہوئی حالانکہ متعین طور پر اس کو سجدہ کا حکم مذکور نہیں ہے۔

توانائی غیر مادّی ہے | مذکورہ آیتوں میں اللہ نے روح کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح

---

[1] سورۂ سجدہ آیت ۹۔ [2] سورۂ حجر آیت ۲۸۔ ۲۹۔

ہوتی ہے کہ یہ نورانی توانائی کسی اندرونی تغیّرات وتطوّرات کے حاصل جمع یا کسی میکانکی عمل ارتقار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل حیثیت رکھنے والی خارجی قوت ہے جو اندر پیوست کی گئی ہے۔ اسی طرح روح کی تعبیر "امر رب" سے کی گئی ہے۔

قل الروح من امر ربی۔ [1] — آپؐ کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔

جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ نورانی حقیقت مادّی نہیں بلکہ ماورائی (غیر مادّی) ہے۔ شیخ محمد اعلیٰ تھانویؒ نے اس سلسلے میں یہ قول نقل کیا ہے۔

الروح الانسانی السماوی من عالم الامر لا یدخل تحت المساحة والمقدار والروح الحیوانی البشری من عالم الخلق ای یدخل تحت المساحة والمقدار۔ [2]	روح انسانی سماوی ہے اور عالم امر سے تعلق رکھتی ہے یعنی مقدار اور پیمانہ کے تحت نہیں آتی ہے اور روح حیوانی بشری ہے اور عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی پیمانہ اور مقدار کے تحت آتی ہے۔

روح وجسم سے اس کا تعلق روح قدسی، روح طبعی، اور جسم انسانی تینوں کا تعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

ان البدن مطیة النسمة	بدن (جسم انسانی) روح حیوانی کی سواری ہے۔
ان ھذہ الروح مطیة للروح الحقیقی۔	اور روح حیوانی روح حقیقی (قدسی) کی سواری ہے۔
او لھا تعلق خاص بالروح الھوائی اولا وبالبدن ثانیا۔ [3]	اس روح قدسی کا پہلا تعلق روح حیوانی سے ہوتا ہے پھر اس کے ذریعہ جسم انسانی سے ہوتا ہے۔

وجود اور مخزن روح قدسی (نورانی توانائی) نور الٰہی کے عکس سے وجود میں آتی ہے (اور براہ راست نور کی شعاعیں برداشت کرنے کی تاب کس میں ہے؟) اور کسی نوری مخزن میں جمع ہو جاتی ہے پھر وہاں سے اس کی شعاعوں کی فیض رسانی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مخزن" میں اجتماع کو مرتب فوج سے تشبیہ دی ہے۔ غالباً اس سے ان کی اقدامی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

الارواح جنود مجندہ۔ [4] — روحوں کی ایک مرتب فوج ہے۔

---

[1] سورۂ اسرار آیت ۸۵۔ [2] کشاف اصطلاحات الفنون۔ [3] شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقۃ الروح۔
[4] بخاری ومسلم ومشکوٰۃ الفصل الاول باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔

شاہ ولی اللہؒ نے نفس ناطقہ کی بحث عکس ہی کی بنیاد پر کی ہے کہ براہ راست نوری کرنوں کا اقدام نامیاتی لہروں (قوائے طبعی کے خواص) پر ناقابل برداشت ہوتا ہے۔[1]

توانائی کی شعاعیں | نورانی توانائی (روح قدسی) کی شعائیں خصوصیتوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بے شمار حصوں میں منقسم ہیں۔ اِدھر طبعی قوتیں بھی اپنے خواص واثرات کے لحاظ سے مختلف گروپ میں تقسیم ہیں جن کے لحاظ سے دونوں کے درمیان جذب وکشش کی باہمی مناسبتیں قائم کر دی گئی ہیں۔ فیض رسانی اور فیض قبول کرنے میں جس کو جس کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اس کا امتزاج اس کے ساتھ کر دیا جاتا ہے یعنی شعاعوں کی خصوصیتیں اور صلاحیتیں طبعی قوتوں کے انھیں خواص واثرات میں اپنا جلوہ دکھاتی اور اپنی قوتِ کار کا اظہار کرتی ہیں جن کا ظرف متحمل ہوتا ہے اور ظرف کا پتہ اُن مناسبتوں سے چلتا ہے جو دونوں کے درمیان قائم کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں غالبًا مناسبتوں کی طرف اشارہ ہے۔

فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف[2]

(روحوں کی مرتب فوج ہے) ان میں سے جو مناسبت رکھتی وہ مانوس ہو جاتی ہیں اور جو مناسبت نہیں رکھتی وہ مانوس نہیں ہوتی ہیں۔

محدثین نے اس حدیث سے ایک انسان کی دوسرے انسان کے ساتھ محبت ودوستی کی بنیاد روحوں کی مناسبت قرار دی ہے کہ جن روحوں میں مناسبت ہوتی ہے انھیں میں محبت ودوستی قائم ہوتی اور جن میں مناسبت نہیں ہوتی ان کے درمیان نہیں قائم ہوتی۔ یہ بھی اس حدیث کے مفہوم کا ایک پہلو ہے لیکن جس طرح یہ مناسبت دو روحوں کے درمیان ہوتی ہے، اسی طرح روح اور طبعی قوتوں کے درمیان بھی ہوتی ہے۔

سورج کے شعاعوں کی مثال | مذکورہ مناسبت کو کسی درجہ میں سورج کی شعاعوں سے سمجھایا جاسکتا ہے کہ ہر روشنی (جو دیکھی جاسکتی ہے) کے سات جزء ہوتے ہیں اور ساتوں (بنفشی، نیلا، آسمانی، سبز، زرد، نارنجی، سُرخ) رنگ اپنی خصوصیت وصلاحیت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں، لیکن سرخ رنگ میں خصوصیت وصلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ ہری پتی پر جب روشنی پڑتی ہے تو اس میں ہر رنگ کی ہوتی ہے۔ لیکن روشنی کا ہر جزء (رنگ) اپنی کارکردگی کے اظہار میں جذب وکشش کی اس مناسبت کو ملحوظ رکھتا ہے جو پانی

---

[1] مولانا عبید اللہ سندھیؒ تفسیر الہام الرحمٰن ص ۲۹۔ [2] بخاری ومسلم ومشکوٰۃ، باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔

ذ نمکیات (کاربن آکسائڈ) کے اجزاء میں ہوتی اور جس کے ذریعہ ہر ذی روح کی غذا کا قدرتی انتظام ہے اسی طرح نوری توانائی (روح) کی روشنی سب پر پڑتی ہے لیکن نوری کرنوں اور نامیاتی لہروں میں ایک مناسبت قائم کر دی گئی ہے جس کے لحاظ ہی سے کرنیں لہروں کو فیض پہنچاتی اور اس کو قبول کرتی ہیں۔

توانائی اور نور فطرت | پھر نوری توانائی ہی کا ایک اہم حصہ وہ معلوم ہوتا ہے جو نور فطرت کہلاتا اور جس کی خصوصیت وصلاحیت زیادہ ہوتی اور اس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ نور فطرت کی کارگذاری طبعی قوتوں میں کسی ایک قوت کے ساتھ محدود نہیں رہتی بلکہ تمام طبعی قوتیں اس سے مستفید ہو کر ہی اپنے مناسب نوری کرنوں سے فیضیاب ہونے کا جواز مہیا کرتی ہیں۔ یہ گویا زمین ہموار کرتا، فضا کو ساز گار بناتا، مناسبت کی جانچ کرتا اور پھر دوسری کرنوں کو دعوت دیتا ہے کہ اب وہ آکر اپنا جلوہ دکھائیں اور اپنی قوت کار کا مظاہرہ کریں۔ بس یہیں سے مختلف لوگوں کی خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا اور ہر ایک اپنے اپنے دائرہ میں کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے۔

اوصاف و خصائص کا سرچشمہ نورانی توانائی ہے | احسن تقویم کی انسانی جبلّت میں جس قدر اوصاف و خصائص حیوان کے ماسوا ودیعت ہیں ان سب کا سرچشمہ نورانی توانائی (روح قدسی) کی شعاعیں ہیں جن کے پرتوے انسان میں فکر و شعور، عقل و تمیز، علم و حکمت، ارادہ و اختیار اور قدرت و سطوت وغیرہ اوصاف و خصائص پیدا ہوئے، پھر نامیاتی لہروں (قوائے طبعی کے خواص) کے ساتھ ان کی آمیزش سے مختلف قسم کی صلاحیتیں وجود میں آئیں (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے)

آیت نور کی تمثیل | قرآن حکیم نے اس صورت حال کو ایک تمثیل کے ذریعہ اس طرح سمجھایا ہے:-

اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء[1]	"اللہ ہی آسمانوں اور زمین (کائنات) کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک طاق میں چراغ رکھا ہو چراغ ایک فانوس میں ہو فانوس ایسا ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، چراغ ایک ایسے شاداب درخت زیتون کے روغن سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی جانب واقع ہے نہ غربی جانب، اس کا روغن اتنا شفاف ہو کہ گویا آگ چھوئے بغیر ہی بھڑک

[1] سورہ نور، آیت ۳۵۔

اٹھے، روشنی کے اوپر روشنی ہے۔ اللہ اپنے نور کی ہدایت جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔"

اس تمثیل کے اجزا یہ ہیں :-

(۱) مشکوٰۃ۔ (۲) مصباح۔ (۳) زجاجہ۔ (۴) شجرہ۔ (۵) زیت۔ مشکوٰۃ کے معنی طاق جس سے مراد وجود انسانی۔ مصباح کے معنی چراغ جس سے مراد نورانی توانائی (روح قدسی)۔ زجاجہ کے معنی فانوس جس سے مراد شعاعیں (صفاتِ الٰہی)۔ شجرہ کے معنی درخت جس سے مراد ہدایتِ الٰہی۔ زیت کے معنی روغن جس سے مراد فرامین الٰہی ہیں۔

نورِ الٰہی (نہ کہ ذاتِ الٰہی) کے پرتو سے نورانی توانائی (روحِ قدسی) انسانی وجود میں آئی جو شعاعوں (صفات الٰہی) کے فانوس میں ہے یہ فانوس اس قدر روشن ہے کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا۔ اس میں ایسا چراغ ہے جو درخت زیتون کے روغن سے روشنی حاصل کرتا ہے یہ روغن اس قدر صاف وشفاف ہے کہ گویا آگ کے بغیر ہی بھڑک اٹھے۔ نورٌ علیٰ نور کی واضح تصویر۔

صفات الٰہی کی ان شعاعوں کا پرتو جب اجزائے ترکیبی کے خواص پر پڑتا ہے یا یوں کہیے کہ نوری کرنوں کی آمیزش جب نامیاتی لہروں کے ساتھ ہوتی ہے تو جوہر انسانیت وجود میں آتا ہے جو انسانی اوصاف وخصائص کا مخزن بنتا ہے جس طرح نظریۂ اضداد کے تحت دو متضاد وصف آپس میں ملتے ہیں تو ان سے ایک تیسرا وصف وجود میں آتا ہے جو اپنی نوعیت وکیفیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح نوری کرنیں اور نامیاتی لہریں خواص و اثرات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود جب کرنوں کا پرتو لہروں پر پڑتا ہے تو ایک تیسرا وجود ظہور میں آتا ہے جو ان سے مختلف ہوتا ہے جن میں صرف نوری کرنیں یا نامیاتی لہریں پائی جاتی ہیں۔

آیت نور کی تشریح میں مفسرین وشارحین کے بہت سے اقوال ہیں۔ مذکورہ تشریح میں ربط آیات اور شارحین کے بعض جملوں سے مدد لی گئی ہے۔

چنانچہ یہ آیت سورۂ نور کی ہے جو ترتیب میں سورۂ مومنون کے بعد اس کے تتمہ وتکملہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورۂ مومنون کی ابتداء اہلِ ایمان کے چند اوصاف سے کی گئی ہے جن کا بیشتر تعلق انفرادی زندگی سے ہے اور سورۂ نور کی ابتداء ان احکام وفرامین سے کی گئی ہے جن کا بیشتر تعلق خاندانی ومعاشرتی زندگی سے ہے پھر دونوں جگہ ان اوصاف وفرامین کی اہمیت وواقعیت ثابت کرنے کے لیے دو قسم کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) انسانی تاریخ کی شہادت اور

(۲) انسانی ساخت کی شہادت

سورۂ مومنون میں تاریخ انسانی کی شہادت ذرا تفصیل کے ساتھ ہے کہ اس میں حضرت نوحؑ و دیگر انبیاء اور ان کی قوم کے واقعات و حالات کا ذکر ہے جن میں اوصاف کے عمل و ردِّ عمل سے باخبر کیا گیا ہے اور سورۂ نور میں آیت نور سے اوپر والی آیتوں میں تاریخِ انسانی کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ :

"ہم نے صاف صاف ہدایتیں اور واضح دلیلیں بھیج دی ہیں اور ان پر عمل و ردِّ عمل کی مثالیں، پچھلی قوموں کے واقعات و حالات سے بیان کر دی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہی کر دی ہے۔"[1]

بخلاف اس کے سورۂ مومنون میں انسان کی جسمی ساخت کو نسبتہً وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اور معنوی ساخت کے بارے میں صرف اس اشارہ پر اکتفا کیا گیا ہے کہ حیوان و انسان دونوں کے جنین کو یکساں نشو و نما دینے کے باوجود ہم نے انسان کو ایک دوسری مخلوق میں تبدیل کر دیا۔ اس خلق آخر (دوسری مخلوق) کے وہ اوصاف ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔ البتہ سورۂ نور کی اس آیت میں انسان کی معنوی ساخت (خلق آخر) کو ایک مثال کے ذریعہ نہایت دل نشیں انداز میں سمجھایا ہے کہ جس کے وجود میں نورانی توانائی ایسی ہو کہ جیسے طاق میں چراغ، اس کی روشنی کی حفاظت کے لیے نور کا فانوس ہو اور روشنی برقرار رکھنے کے لیے ہدایت کا نور ہو جو زمان و مکان اور سمت و جہد سے بے نیاز ہو کر فرائض کی انجام دہی پر مامور ہو اس انسان کے لیے وہی احکام و فرائض مناسب ہو سکتے ہیں جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ چنانچہ جس قدر انسانی اوصاف و خصائص روئے زمین پر موجود ہیں وہ سب اسی چراغ کے پرتو، اسی فانوس کی کرنیں اور اسی ہدایت کے پھل پھول ہیں ورنہ اگر ان سب سے نظر بچا کر انسان کی جبلّت کو دیکھا جائے تو وہ احسن تقویم کی انسانی جبلّت نہ ہوگی بلکہ حیوانی جبلّت ہوگی جس میں انسانی اوصاف و خصائص کے نام سے تاریکی ہی تاریکی ہوگی جیسا کہ قرآن حکیم نے آگے ایک تمثیل کے ذریعہ اس صورت حال کو اس طرح سمجھایا ہے :

او کظلمت فی بحر لجی یغشٰہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب۔ ظلمت بعضھا فوق	"یا یوں خیال کرو کہ جیسے ایک گہرے سمندر میں تاریکیاں ہوں، موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہو۔ اوپر سے بادل چھائے

---

[1] سورۂ نور آیت ۳۴۔

بعض حتیٰ اذا اخرج یدہ لم یکد یریھا ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور[1]

ہوں، تاریکیوں کے اوپر تاریکیاں چھائی ہوں اگر اپنا ہاتھ بھی نکالے تو اس کو بھی نہ دیکھ پائے اور جس کو اللہ روشنی نہ بخشے تو اس کے لیے کوئی روشنی نہیں ہے۔"

آیت نور کی تفسیر میں شارحین کے بعض جملے | مذکورہ تشریح کی تائید میں شارحین کے بعض جملے پہلی تمثیل کے متعلق یہ ہیں:

او تمثیل لما منح اللہ علی عبادہ من القوی الدراکۃ[2]

یا یہ تمثیل ادراک کرنے والی قوتوں کی ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔

مثل نورہ المتجلی فی الانسان[3]

اس نور کی مثال جس کی انسان میں تجلی ہوتی ہے۔

ان المشکوٰۃ تنورت بنور الزجاجۃ المقتبس من المصباح[4]

طاق نے روشنی حاصل کی فانوس سے جس نے چراغ سے روشنی حاصل کی۔

کمثل مشکوٰۃ فیھا مصباح وھی اشارۃ الی الجسد لظلمتہ فی نفسہ وتنورہ بنور الروح الذی اشیر الیہ بالمصباح[5]

مثل طاق کے کہ اس میں چراغ ہو یہ مثال جسم انسانی کی ہے کہ اس میں فی نفسہٖ تاریکی ہوتی ہے اور روح کے نور سے اس میں روشنی آتی ہے جس کی طرف اشارہ چراغ سے کیا گیا ہے۔

دوسری تمثیل سے متعلق شارحین کے بعض جملے یہ ہیں:

قلب مظلم فی صدر مظلم و جسد مظلم[6]

تاریک دل، تاریک سینہ اور تاریک جسم میں۔

او کظلمات فی بحر الھیولی یغشاہ موج الطبیعۃ الجسمانیۃ من فوقہ موج النفس الحیوانیۃ وھیاتھا الظلمانیۃ[7]

جیسے تاریکیاں ہوں مادۂ اولیٰ کے سمندر میں اس کو جسمانی طبیعت کی موج ڈھانپے ہو، اس کے اوپر نفس نباتی کی موج ہو اس کے اوپر نفس حیوانی اور اس کی تاریک حالتوں کا ابر ہو (یہ اجزائے ترکیبی کے مختلف اور بتدریج پختگی و قوت حاصل کرنے والے خواص و اثرات کی قدیم تعبیر ہے۔)

---

[1] سورۂ نور، آیت ۴۰۔ [2] قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری ج ۶ ص ۵۳۲، آیت نور۔ [3] الغزالی مشکوٰۃ الانوار ص ۲۲

[4] تفسیر مظہری ج ۶ ص ۵۳۴ آیت نور۔ [5] محی الدین ابن عربی ج ۲ ص ۳۷ آیت نور۔

[6] فخر الدین رازی تفسیر رازی آیت ۴۰۔

[7] تفسیر ابن عربی، آیت ۴۰

انه الکفر ظلمة منقطعة عن نور الله الفائض فی الکون [1] بلا شبہ کفر ایک تاریکی ہے جو اللہ کے اس نور سے منقطع کرنے والا ہے جو کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔

یعنی ہدایت الٰہی سے نور (روغن) حاصل نہ کرنے (کفر) کا نتیجہ نوری توانائی اور اس کی شعاعوں سے محرومی کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا اور کبھی ایسی تاریکی مسلّط کر دیتا ہے کہ گویا نور سے تعلق ہی منقطع ہو گیا۔

یہ صحیح ہے کہ آیت نور کی مذکورہ تشریح کی تمام تر تائید کسی ایک قول سے نہیں ہوتی ہے، لیکن اگر کسی اصول پر زد نہیں پڑتی یا خلاف واقعہ بات نہیں لازم آتی ہے تو بہت سے اقوال میں ایک نئے قول کا اضافہ کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نامیاتی لہروں اور نوری کرنوں کی آمیزش کا نتیجہ "احسن تقویم" میں نامیاتی لہروں کے ساتھ نوری کرنوں کی آمیزش اور اس کے نتیجہ میں مختلف خصوصیتوں اور صلاحیتوں کا ظہور قدرت کی صنّاعی کا ایک ایسا کارنامہ ہے کہ اس تک رسائی تو درکنار اس پر گفتگو کی بھی ہمّت نہیں ہو رہی ہے۔

نامیاتی لہریں طبعی قوتوں سے پیدا ہوتی ہیں اور قوتیں ان اجزاء کے خواص و اثرات سے وجود میں آتی ہیں جو پیکر انسانی کی بناوٹ میں استعمال کیے گئے ہیں۔ استعمال میں ہونے والے وہ اجزاء تھے جو قوت و پختگی کے لحاظ سے حیوانی اجزاء سے بلند و برتر تھے کہ اس کے بغیر اجزاء پر نہ انسان کی صورت گری ہو سکتی اور نہ ان میں نوری کرنوں کے تحمل و برداشت کی طاقت ہو سکتی تھی۔

پیدائش کے بیان میں کئی الفاظ کا استعمال قرآنِ حکیم نے انسان کی پیدائش کے بیان میں کئی الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاک کے ذرّے نے ایک دم پیکر انسانی کی شکل نہیں اختیار کی بلکہ کچھ خصوصیات پیدا کرنے کے لیے اس کو مختلف مراحل سے گذارا گیا ہے۔ مثلاً

طین۔ وہ مٹّی جو پانی کے ساتھ ملی ہو [2]

سُلٰلة۔ ست یا خلاصہ جو زمین سے کھینچ کر نکالا جائے [3]

صلصالٍ من حماءٍ مسنون۔ کھنکھناتی خشک مٹّی جو سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوتی ہے۔

قدماء کی کتابوں میں نفس جمادی، نفس نباتی اور نفس حیوانی کی بحث ملتی ہے [4] جن سے مختلف مراحل کی

[1،2،3] راغب اصفہانی۔ المفردات۔ [4] محمد جلال الدین اخلاق جلالی ص ۲۲ و محمد ناصر الدین اخلاق ناصری ص ۲۳ و مثنوی مولانا روم اطوار و منازل خلقت از ابتداء، والفوز الاصغر ابن مسکویہ۔

تائید ہوتی ہے، لیکن اس بحث سے خواص و اثرات کے صرف خصوصیاتی یا نفسیاتی ارتقاء کا ثبوت ملتا ہے کہ خاک کے ذرّہ میں ایک دم سے نہیں بلکہ بتدریج انسان کی صورت گری و نوری کرنوں کی تحمل و برداشت کی خصوصیت و صلاحیت پیدا ہوئی ہے اور جدید دنیا جس ارتقاء سے بحث کرتی ہے وہ حیاتیاتی ارتقاء کی ہے کہ جس کے لحاظ سے انسان تمام ترحیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار پاتا اور اس کی ساخت کے کسی مرحلے میں بھی کسی نورانی توانائی کو نہیں تسلیم کیا جاتا ہے۔ ——————— ظاہر ہے کہ اوپر بیان کی ہوئی تفصیلات سے یہ نظریہ غلط ہو جاتا ہے۔

انسان کی ساخت کا نیا رُخ انسان کی طبعی زندگی، اس کی قوتوں اور ان سے پیدا شدہ نامیاتی لہروں اسی طرح نورانی توانائی اس کی شعاعوں اور ان سے پیدا شدہ نوری کرنوں اور پھر مختلف گروپ و حصوں میں ان کی تقسیم اور دونوں میں خاص مناسبت قائم کر کے ایک کی دوسرے کے ساتھ آمیزش اور اس کے نتیجہ میں انسانی خصوصیتوں اور صلاحیتوں کا ظہور و باہمی تفاوت وغیرہ سے انسان کی ساخت کا ایک نیا رخ متعین ہوتا ہے جو یقیناً اس رُخ سے مختلف ہے جو جدید دنیا نے متعین کیا ہے اس نئے رُخ کو سامنے رکھ کر نظریہ ارتقاء کی نئے انداز سے توجیہ و تشریح کی ضرورت ہے۔

دو بڑی قوتیں سر دست صرف دو قوتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا خصوصیتوں اور صلاحیتوں کے پیدا کرنے اور ان کی کمی بیشی میں خاص کردار ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) خواہش اور

(۲) شعور

خواہش طبعی زندگی کے تقاضہ سے پیدا ہوتی اور شعور نوری کرنوں کے پرتو سے وجود میں آتا ہے۔ شعور کی اپنی مستقل اکائی ہے۔ جس طرح خواہش کی اپنی اکائی ہے۔ یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ شعور اور اس سے پیدا شدہ علم و حکمت اور اخلاق وغیرہ کا سرچشمہ معدے کے ابخرات یا ناآسودہ جنسی خواہشات کو قرار دیا جائے جیسا کہ جدید نظریات میں کسی نوری توانائی تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے لازم آتا ہے۔ یہ خواہش اور ان سے متعلق نامیاتی لہریں ہر انسان میں یکساں نہیں ہوتی ہیں، بلکہ زمین، فضاء، آب و ہوا اور سختی و نرمی کثافت و لطافت وغیرہ کے اختلاف کی وجہ سے ان میں کافی فرق ہوتا ہے اسی طرح نورانی کرنوں کا پرتو بھی نامیاتی لہروں پر

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "لامذہبی دور کا تاریخی منظر" و "تہذیب کی تشکیل جدید"

یکساں نہیں پڑتا ہے بلکہ کرنوں اور لہروں کے درمیان جو مناسبت قائم کر دی گئی ہے اسی کے لحاظ سے کرنیں لہروں میں اپنا جلوہ دکھاتی اور انسانی اوصاف و خصائص کا سرچشمہ بنتی ہیں۔

کرنوں کے دو بڑے حصے | کرنوں کی تقسیم کو قریب الفہم بنانے کے لیے اس وقت ان کے دو بڑے حصے کیے جاتے ہیں۔

(۱) اعلیٰ اور

(۲) ادنیٰ

لہروں کے دو بڑے گروپ | یہ تقسیم مناسبت کو ملحوظ رکھ کر ہے ورنہ کرنیں اپنی اصل کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہیں۔ اسی طرح لہروں کو سمجھنے کے لیے ان کو دو بڑے گروپ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) قوی اور

(۲) ضعیف

یہ تقسیم بھی مناسبت کو ملحوظ رکھ کر ہے ورنہ لہریں اپنی اصل کے اعتبار سے بے حد مختلف ہیں۔

جذب و کشش جانچنے کے لیے دو بڑے پیمانے | کرنوں اور لہروں کے درمیان جذب و کشش کی مناسبت و قوت جانچنے کے لیے دو بڑے پیمانے مقرر کیے جاتے ہیں۔

(۱) سختی و مضبوطی اور

(۲) نرمی و لچک

(۱) کرنیں اور لہریں دونوں اپنی اپنی جگہ سختی و مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں اور لہریں اپنے کو دبا کر کرنوں کی طرف مائل نہ نظر آتی ہوں۔

(۲) کرنیں اور لہریں اپنی اپنی جگہ قائم ہونے کے باوجود ان میں پہلی جیسی سختی و مضبوطی نہ ہو بلکہ کرنیں کچھ نرم گوشہ رکھتی ہوں۔ اسی طرح لہروں میں بھی کچھ نرمی و لچک موجود ہو۔

پہلی صورت میں کرنوں اور لہروں کے درمیان نزاع و کشمکش جاری رہتی ہے جس کی وجہ سے اندرونی حالت میں اضطراب و بے چینی پائی جاتی ہے اور دوسری صورت میں کرنوں اور لہروں کے درمیان ہمواری و صلح جوئی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اندرونی حالت پہلی کے مقابلہ میں اگرچہ پرسکون رہتی ہے لیکن اضطراب و بے چینی کی کیفیت اس میں بھی موجود رہتی ہے۔ کرنوں اور لہروں کے انفرادی خواص و اثرات یہ ہیں۔

اعلیٰ کرنوں سے اعلیٰ درجہ کے کمالات اور بلند احوال ومقامات حاصل کرنے کی اہلیت ہوتی ہے اور ادنیٰ کرنوں سے معمولی درجہ کے کمالات اور احوال ومقامات کی اہلیت ہوتی ہے۔

قوی لہروں سے شوکت وسطوت اور غلبہ واقتدار حاصل کرنے کی اونچے درجہ کی اہلیت ہوتی ہے اور ضعیف لہروں سے یہ اہلیت معمولی درجہ کی ہوتی ہے۔

کرنوں اور لہروں کے باہمی امتزاج کے بعد اہلیت میں تفاوت کے لحاظ سے انسان کی بے شمار قسمیں وجود میں آتی ہیں جن میں سے چند کو ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کے ذریعہ دوسری بے شمار کو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

امتزاج کے بعد خواص واثرات کی دو بڑی شکلیں | کرنوں اور لہروں کے باہمی امتزاج کے بعد خواص واثرات کو دو بڑی شکلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) سختی ومضبوطی والی شکل

(۲) نرمی ولچک والی شکل

سختی ومضبوطی والی شکل کی چار بڑی قسمیں | سختی ومضبوطی والی شکل کی چار بڑی قسمیں یہ ہیں۔

(۱) اعلیٰ کرنوں اور قوی لہروں سے عزم وہمت میں پختگی وبلندی پیدا ہوتی ہے۔ اونچے درجہ کے کاموں پر نظر ہوتی اور اونچے درجے کے مناصب ومقامات حاصل کرنے کی اہلیت ہوتی ہے اس قسم کے لوگ اگرچہ بہت کم پائے جاتے ہیں لیکن جتنے بھی ہوتے ہیں ان میں سردار وپیشوا بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

(۲) ادنیٰ کرنوں اور قوی لہروں سے عزم وہمت میں پختگی تو ہوتی ہے لیکن زیادہ بلندی نہیں پائی جاتی ہے جس کی بنا پر اونچے درجہ کے کاموں پر نظر نہیں ہوتی ہے ایسے لوگوں میں حمیت وغیرت اور بہادری وجانبازی کے کاموں کی اہلیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس قسم کے لوگ نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں لیکن سپہ گری ومیدانِ جنگ کے زیادہ اہل ثابت ہوتے ہیں۔

(۳) اعلیٰ کرنوں اور ضعیف لہروں سے عزم وہمت میں پختگی والے کاموں سے بے رغبتی ہوتی اور اونچے درجہ کے کاموں پر نظر نہیں ہوتی ہے بلکہ اگر موقع ملے تو اعلیٰ کرنوں کے اثر سے رضاء الٰہی کی خاطر ترک دنیا پر آمادگی ہو جاتی ہے۔

(۴) ادنیٰ کرنوں اور ضعیف لہروں سے سستی وکاہلی اور درماندگی وعاجزی وغیرہ پیدا ہوتی ہیں۔ تمام چیزوں سے دست برداری میں عافیت نظر آتی اور موقع ملنے پر ترک دنیا کو ترجیح ہو جاتی ہے اگرچہ رضائے الٰہی

کے کام بھی زیادہ نہیں ہو پاتے ہیں۔

زمی و لچک والی شکل کی چار بڑی قسمیں | نرمی و لچک والی شکل کی چار بڑی قسمیں یہ ہیں:

(۱) اعلیٰ کرنوں اور قوی لہروں سے حکمتوں مصلحتوں اور اسرار و رموز دریافت کرنے کی اہلیت ہوتی اور ریسرچ و تحقیق کے کاموں سے دلچسپی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بھی اگرچہ بہت کم پائے جاتے ہیں لیکن جس قدر ہوتے ہیں وہ موقع ملنے پر اپنے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں البتہ نرمی و لچک کی وجہ سے قیادت و سرداری کی اہلیت میں کمی آجاتی اور معتقدین کا حلقہ بھی زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

(۲) ادنیٰ کرنوں اور قوی لہروں سے تحقیقی و تنقیدی امور کے بجائے تقلیدی امور کی طرف زیادہ رغبت ہوتی اور گہرائی کے بجائے ظواہر پر قناعت ہوتی ہے۔ نرمی و لچک کی وجہ سے قوی لہروں کی کارکردگی متاثر ہوتی اور کوئی نمایاں کام نہیں انجام دے پاتی ہیں۔

(۳) اعلیٰ کرنیں اور ضعیف لہریں

(۴) ادنیٰ کرنیں اور ضعیف لہریں

یہ دونوں قسمیں حد درجہ کمزور ہوتی ہیں چوتھی قسم میں کرنوں کے ادنیٰ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی مؤثر کردار نہیں ادا کر سکتی ہیں اور تیسری شکل میں کرنوں کے اعلیٰ ہونے کے باوجود نرمی و لچک کی وجہ سے ان کی اصلی کارکردگی باقی نہیں رہتی ہے بس ان کی وجہ سے دعا و مناجات وغیرہ میں سرور و انبساط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

راقم الحروف نے اپنی کتاب "حدیث کا درایتی معیار" میں مذکورہ قسموں کو اس طرح بیان کیا ہے۔

نزاع و کشمکش (سختی و مضبوطی) کی چار بڑی شکلیں یہ ہیں۔

(۱) اعلیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد

(۲) اعلیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد

(۳) ادنیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد

(۴) ادنیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد

مصالحت (نرمی و لچک) کی بھی یہی چار بڑی شکلیں ہیں۔

(۱) اعلیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد

(۲) اعلیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد

(۳) ادنیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد

(۴) ادنیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد [۱]

مفہوم کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے صرف تعبیر و تشریح کا فرق ہے۔

شعور اور خواہش کے درمیان روابط | "احسن تقویم" میں شعور (نوری کرنوں) اور خواہش (نامیاتی لہروں) کے درمیان مناسبت و قوت کے لحاظ سے روابط قائم ہوتے اور جذب و کشش کی حدیں مقرر ہوتیں پھر کرنوں کے پرتو سے لہروں کی کارکردگی میں تبدیلی کی جاتی ہے۔

بے شمار خصوصیتوں اور صلاحیتوں کی طرح روابط و حدود کے بھی بے شمار درجے اور مرتبے ہیں جو کرنوں اور لہروں کے درمیان مناسبت اور جذب و کشش کی قوت سے وجود میں آتے ہیں ان میں سے کچھ خاص قسم کے رابطے اور حدیں بھی ہیں جو نابغہ اور عبقری صلاحیتوں کے لیے مخصوص ہیں اور جن سے جینئس افراد پیدا ہوتے ہیں۔ ان رابطوں اور حدوں میں کرنوں اور لہروں کا شدید ٹکراؤ ہوتا ہے خواہ دونوں کے درمیان سختی و مضبوطی کی نسبت ہو یا نرمی و لچک کی ہو۔

جینئس کے روابط و حدود | جینئس (عبقری) کے روابط و حدود دو طریقے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

(۱) فجائی ارتقاء۔ اس میں کرنیں ایک دم چھلانگ لگا کر اپنی اظہار پر آمادہ ہوتی ہیں اور پھر لہروں سے شدید ٹکراؤ کی وجہ سے وہ روابط و حدود وجود میں آتے ہیں جو جینئس کے لیے درکار ہیں۔

(۲) تدریجی ارتقاء۔ اس میں بتدریج ارتقاء ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ روابط و حدود ظہور پذیر ہوتے ہیں جو جینئس کے لیے درکار ہیں۔

جینئس کی صفت پیدائشی ہوتی ہے | دونوں طریقوں میں جینئس کی صفت پیدائشی و موروثی ہوتی ہے۔ اگر اس کو نشو و نما کا پورا موقع مل گیا تو کسب و ریاضت سے اس کے کارنامے نمایاں ہو جاتے ہیں اور اگر موقع نہ ملا یا کسب و ریاضت اس کے مناسب نہ پایا گیا تو وہ صفت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ تدریجی ارتقاء میں وراثت کا اثر سمجھنے میں زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ فجائی ارتقاء میں وراثتی اثر مخفی رہتا اور کسی میکانکی عمل کے دائرہ میں نہیں آتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھیے کہ بالعموم ایک پھول کے بیج سے ایک ہی قسم کے پھول پیدا ہوتے ہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی بیج سے ایک علیحدہ قسم (Sport) کا پھول پیدا ہوتا ہے نہ ہر بیج سے اس

---

[۱] ملاحظہ ہو حدیث کا درایتی معیار ص ۱۱۵۔

پھول کی توقع کی جاتی اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیج میں کسی خاص اثر کے بغیر ہی یہ پھول پیدا ہو گیا ہے یہ بھی واقعہ ہے کہ وہی بیج کیمیائی اثر یا شعاع کو قبول کرتی ہے جس میں کچھ خصوصیت پہلے سے موجود ہوتی ہے ورنہ ہر بیج کے ساتھ یکساں عمل میں یکساں اثر قبول کرنے میں دشواری نہ ہونی چاہیے۔

دونوں قسم کے جینئس میں شعور (نوری کرنوں) اور خواہش (نامیاتی لہروں) کے درمیان شدید ٹکراؤ ہوتا ہے جس کی وجہ سے نفسی قوتوں اور ان کے اظہار میں توازن برقرار نہیں رہ پاتا اور ایک جینئس اپنے میدان میں نادر روزگار ہونے کے باوجود زندگی کے دوسرے میدانوں میں کھویا کھویا رہتا اور غیر متوازن اقدام سے بھی دریغ نہیں کرتا ہے لیکن پہلی قسم میں یہ ٹکراؤ اور زیادہ نمایاں ہوتا ہے کہ زندگی اس سے ظالمانہ سلوک کرتی اور ماحول اس کے سامنے قدم قدم پر رکاوٹوں کے سنگ گراں حائل کرتا ہے۔ ایک طرف اندرونی مطالبہ کسی ایک حالت پر سکون سے نہیں رہنے دیتا اور ہر پانے کے بعد دوسرے آگے کو حاصل کرنے کے لیے مضطرب و بے قرار رکھتا ہے اور دوسری طرف ماحول کی ناسازگاریاں اس کے احساسات وادراکات کو کچل دینے پر تلی رہتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایک موچی کا بچہ، ایک کسان کا لڑکا، ایک جاہل وگنوار کا بیٹا مدتوں اپنے معمولی کام میں لگا یاس وحرمان کی تصویر بنا رہتا ہے کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ آگے چل کر وہ کیا بنے گا۔؟ لیکن ایک موقع آتا ہے کہ وہ تاریخ میں آفتاب وماہتاب بن کر نمودار ہوتا ہے۔

اس طویل مرحلہ میں اس کی مضطربانہ کیفیت کس درجہ کی ہوتی۔؟ حالات وماحول کی ناسازگاریاں اس کے آبگینہ کو کچل کر کس مقام پر لے آتی ہیں۔؟ اس کا اندازہ لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر ایسی حالت میں اس کے احساسات ومیلانات زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر متوازن ہو جائیں یا پانے کے لیے کھونے کی پالیسی پر اس انداز سے عمل پیرا ہو کہ اپنے ماحول میں اس کی زندگی ناکام قرار دے دی جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ پھولوں کی حفاظت ونگرانی کے لیے کانٹوں کی پہرہ داری وچوکیداری کیوں ضروری ہے۔؟ ہم عاجز ومسکین بندے تو بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ پھولوں سے استفادہ کے لیے کانٹوں کے برداشت کا حوصلہ ضروری ہے۔

شعور کی مستقل اکائی خصوصیتوں، صلاحیتوں ان میں کمی بیشی اور جینئس کی پیدائش کے سلسلے میں یہ توجیہ اس بنیاد پر ہے کہ شعور کی مستقل اکائی تسلیم کی گئی اور اس کا سرچشمہ نوری کرنوں کو قرار دیا گیا ہے۔ رہ یہ علیحدہ بات ہے کہ جوہر انسانیت میں نہ شعور ہمہ وقت آزاد رہتا اور نہ اس کے اور خواہش کے درمیان ہمہ وقت تضاد کی نسبت

برقرار رہتی ہے) جدید دنیا نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا ہے اس میں نہ شعور کی مستقل اکائی تسلیم کی گئی اور نہ اس کا سرچشمہ نوری کرنوں کو قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کے نزدیک شعور کا سرچشمہ ذہنِ انسانی ہے جو ان اربوں خلیات کی مخصوص ترکیب و ترتیب کا نام ہے جن سے دماغ بنتا ہے۔ یہ خلیات سبھی کے ذہن میں ہوتے ہیں اور انھیں کی ترکیب و ترتیب مختلف افراد کی ذہانتوں میں فرق کا سبب بنتی اور خصوصیتوں، صلاحیتوں نیز ان میں کمی بیشی کی جسمانی بنیاد ان خلیات کی باہمی ترکیب و ترتیب قرار پاتی ہے چنانچہ ایک خاص قسم کی ترکیب و ترتیب سے کوئی خصوصیت و صلاحیت اور ان میں کمی بیشی پیدا ہوتی ہے اور دوسری قسم کی ترکیب و ترتیب سے کوئی اور خصوصیت و صلاحیت اور ان میں کمی بیشی پیدا ہوتی ہے، اس طرح انسانی ذہن و اس سے پیدا ہونے والا شعور مکمل دماغ کے تابع قرار پاتا اور خواہش کی طرح شعور بھی جسم ہی کی طبعی زندگی کے تقاضہ سے پیدا ہوتا ہے۔

جدید توجیہ میں خلاء | اس توجیہ میں جو خلا پایا جاتا ہے اور اس پر جو اعتراض وارد ہوتے ہیں اور جواب میں ناکامی سے جو مایوسی ابھرتی ہے ان سب کی تفصیل اس وقت زیرِ بحث نہیں ہے۔ غالباً انھیں کا نتیجہ ہے کہ کافی دنوں سے اس قسم کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں "شعور" مادی نہیں ہے، شعور مشینی عمل نہیں ہے، شعور میکانکی عمل کا نتیجہ نہیں ہے، یہ آوازیں بجائے خود علم و تحقیق کی دنیا کی بے اطمینانی پر دلالت کرتی اور کسی خوش آئند مستقبل کی نشان دہی کرتی ہیں۔ کیا عجب ہے کہ دوسری بہت سی حقیقتوں کی طرح ان آوازوں کو بھی قبولیت کا درجہ حاصل ہوجائے اور پھر برقی ذرات کی طرح نورانی کرنوں کی جلوہ آرائیوں پر ریسرچ و تحقیق ہونے لگے۔

عام جینئس | تاریخ انسانی میں جینئس کا کردار دو طرح پایا گیا ہے۔ (۱) عام اور (۲) خاص:

عام جینئس میں خواہش شعور کے تابع نہیں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی خواہشات کی زندگی طرح طرح کی ناہمواریوں میں مبتلا رہتی ہے لیکن خاص جینئس میں خواہش شعور کے تابع ہوکر ناہمواریوں کے اظہار سے محفوظ ہوجاتی ہے۔

خاص جینئس | خاص جینئس کا درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے جس کے ظہور پذیر ہونے کے لیے کرنوں اور لہروں کا شدید ٹکراؤ کافی نہیں بلکہ خارج سے کچھ مزید نوری قوت پہنچانے کی ضرورت ہے اور پھر اس کے ذریعہ کرنوں اور لہروں کے موجودہ تناسب میں تبدیلی ہوکر شعور اور خواہش میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اس کی مثال ایسی سمجھیے کہ جس طرح برقی و مقناطیسی لہروں کے ڈالنے سے دماغی سیلون کی برقی اکٹویٹی میں تبدیلی کی جاسکتی ہے جو سیل کے مثبت و منفی چارج کے تناسب میں تبدیلی سے رونما ہوتی ہے۔ اسی طرح مزید نورانی قوت

پہنچانے سے رسولؑ اور نبیؑ کے علمی و عملی اکٹویٹی میں تبدیل کی گئی تھی جو مثبت و منفی (نوری کرنیں و نامیاتی لہریں) چارج کے تناسب میں تبدیلی سے رونما ہوئی تھی۔

مزید نورانی قوت پہونچانے کا انتظام | پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خارج سے مزید نورانی قوت پہنچانے کی بھی ایک حد ہے کہ اس کے بعد اس میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے ورنہ شعور و خواہش کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے جس طرح لوہے کے ٹکڑے میں خارجی مقناطیسی میدان کے ذریعہ لوہائی مقناطیسیت پیدا کرنے میں ایک حد ایسی آتی ہے کہ پیدا شدہ مقناطیسیت میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا خواہ خارجی مقناطیسی میدان میں کتنا ہی اضافہ کیوں نہ کر دیا جائے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نورانی قوت آخری حد تک پہنچا دی گئی تھی کہ اب اس میں مزید اضافہ کی گنجائش نہ تھی۔ ورنہ بصورت دیگر جامۂ بشریت تار تار ہو کر مقصد نبوت فوت ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔

یہ مثالیں محض قریب الفہم بنانے کے لیے دی گئی ہیں ان سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہیے۔ قرآن و حدیث میں شرح صدر (سینہ کھولنا) شق صدر (سینہ چاک کرنا) اور روشنی ڈالنے کی تعبیریں ہیں جن سے اس مزید نورانی قوت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں ہے۔

الم نشرح لك صدرك [1] — کیا ہم نے آپؐ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

یہ شرح صدر کارِ نبوت کے لائق بنانے کے لیے تھا جیسا کہ آگے کی آیت میں اس کے اثر سے وضاحت ہوتی ہے۔

ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك [2] — اور آپؐ کے اوپر سے آپؐ کا بوجھ اتارا جس نے آپؐ کی کمر جھکا دی تھی اور ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کیا۔

شق صدر (سینہ چاک کرنا) کا ذکر مختلف حدیثوں میں ہے [3] جن کی تشریح شاہ ولی اللہؒ نے اس طرح کی ہے۔

اما شق الصدر وملؤه ايمانا فحقيقته غلبة انوار الملكية وانطفاء لهب الطبيعة وخضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس [4] — لیکن شق صدر (سینہ چاک کرنا) اور اس کو ایمان سے بھرنے کی حقیقت انوار ملکیہ کا غلبہ اور طبیعت بشریہ کا شعلہ بجھ جانا ہے۔ نیز حظیرۃ القدس (عالم نور) سے فیض قبول کرنے کی طرف طبیعت کا آمادہ اور متوجہ ہو جانا ہے۔

---

[1] الم نشرح۔ آیت ۱۔ [2] ایضاً۔ ۲۔۳۔۴۔ [3] مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۴۹ حدیث انس بن مالک۔

[4] ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبوت سے پہلے روشنی دیکھنے یا روشنی ڈالنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

اقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بمکۃ خمس عشرۃ سنۃ یسمع الصوت ویری الضوء سبع سنین ولا یری شیئاً وثمانی سنین یوحیٰ الیہ [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پندرہ سال ٹھہرے سات سال آواز سنتے اور روشنی دیکھتے رہے اور کچھ نہ دیکھتے تھے اور آٹھ سال آپؐ کی طرف وحی کی جاتی رہی۔

مزید نورانی قوت پہونچانے کا اہم مقصد | اس مزید نورانی قوت پہنچانے کا اہم مقصد عالم نور سے فیض حاصل کرنے کی رکاوٹ دور کرنا معلوم ہوتا ہے اور سب سے بڑی رکاوٹ نامیاتی لہروں کے شعلے تھے جو شیطان کی آماجگاہ بنے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد ایک طرف نوری کرنوں کو مزید توانائی حاصل ہوئی اور دوسری طرف نامیاتی لہروں کے شعلے بجھ گئے، پھر شعور و خواہش میں ہم آہنگی ہوئی اور عالم نور سے کسب فیض کا راستہ کھلا۔

شعلہ بجھنے کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔

ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن قالوا وایاک یا رسول اللّٰہ قال وایای الا ان اللّٰہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر [۲]

تم میں سے ہر ایک کا ہمنشیں جن (شیطان) ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اور آپؐ کا بھی اے اللہ کے رسولؐ آپؐ نے فرمایا میرا بھی ہے۔ لیکن اللہ نے میری مدد کی اور وہ مطیع ہو گیا اب وہ صرف خیر و بھلائی کی ترغیب دیتا ہے۔

عالم نور سے کسب فیض کے لیے راستہ کھلنے کا ثبوت غار حرا کے واقعہ میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دبانے اور بھینچنے کی جو روش اختیار کی وہ غالباً عالم نور سے فاصلہ کو جانچنے اور مزید کم کرنے کے لیے تھی کہ جس کے بعد ہی وحی کا سلسلہ شروع ہوا چنانچہ حدیث میں ہے:

فجاء الملک فقال اقراء فقال ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلغ منی الجھد

فرشتہ آیا اور کہا اقراء (پڑھیے) آپؐ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ فرشتہ نے اس زور سے مجھ کو پکڑ کر دبایا کہ مجھ کو مشقت برداشت کرنی پڑی۔ پھر اس نے چھوڑا اور کہا کہ پڑھیے میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

---

[۱] مسلم کتاب الفضائل باب کم اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ والمدینۃ ومسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۲۶ عن ابن عباس۔

[۲] مسلم صفات المنافقین باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ۔

ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثالثۃ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم۔[1]

پھر اس نے زور سے بھینچا اور مجھے مشقت برداشت کرنی پڑی، پھر مجھے چھوڑا اور کہا کہ پڑھیے، میں نے کہا کہ پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر اس نے مجھے چھوڑا اور ویسی ہی مشقت برداشت کرنی پڑی، پھر اس نے اقراء کی پانچ آیتیں پڑھا دیں

مزید نورانی قوت پہونچانے کے اثرات | اس مزید قوت پہنچانے سے صرف شعلے بجھتے ہیں۔ خواہشات (طبعی زندگی کے تقاضے و مطالبے) باقی رہتی ہیں کہ اگر یہ بھی جل جائیں تو بشریت ختم ہو کر رسولؐ کی زندگی دوسروں کے لیے نمونہ نہ قرار پائے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی موجود ہے اور دوسری طرف عالم نور سے کسب فیض کے وقت کی وہ کیفیات موجود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتی تھیں۔ مثلاً نزولِ وحی کے وقت چہرہ متغیر ہو جانا۔ سردی کے زمانہ میں جبینِ اقدسؐ پر پسینے کے قطروں کا نمودار ہونا۔ اعصاب کا غیر معمولی بار محسوس کرنا اور استغراق کی کیفیت طاری ہونا وغیرہ۔[2]

یہ مختلف کیفیات طبعی زندگی کے تقاضے و مطالبے کی موجودگی کا نتیجہ تھیں اور ان کے ساتھ زبردست تصادم اس وقت ہوتا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ نور میں ڈوب کر کسب فیض کرتے تھے۔ یہ مقام اس قدر لطیف ہے کہ اس کی حفاظت طبعی زندگی کی ادنیٰ کثافت بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے لامحالہ اس مقام کے مسافر کو بلند ہونے کے لیے سخت قسم کی کش مکش سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے آثار اعضاء و جوارح اور اعصاب پر ظاہر ہونا لازمی ہیں۔

مزید نورانی قوت پہونچانے کی آخری حد ختم نبوتؐ ہے | یہ مزید قوت آخری حد تک پہنچا دینے کا نتیجہ تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کر دی گئی۔ اب آپؐ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول آئے گا۔ قرآن حکیم میں ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں کسی کے باپ

---

[1] بخاری ج باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومسلم ومشکوٰۃ باب المبعث وبدء الوحی۔ [2] بخاری ج ۱ کتاب المناسک باب غسل الخلوق ثلاث مرات ومسلم ومشکوٰۃ باب المبعث وبدء الوحی۔

و خاتم النبیین وکان اللہ بکل شیئ علیما [1] نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسولؐ اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

عربی لغت و محاورے میں ختم کے معنی بند کرنے، مہر لگانے، ختم کر دینے اور کام سے فارغ ہو جانے کے ہیں۔ مثلاً:

ختم الاناء	برتن کا منہ بند کر دیا
ختم الکتاب	خط پر مہر لگا دی
ختم علی القلب	دل پر مہر لگا دی
ختم الشیئ (بلغ آخرہ)	شیئ کے آخر تک پہنچ گیا
خاتم القوم (آخرہم)	قوم کا آخری آدمی
ختم العمل (فرغ من العمل) [2]	کام سے فارغ ہو گیا

مزید قوت پہنچانے کی آخری حد لوگوں کو معلوم نہ تھی اس لیے وکان اللہ بکل شیئ علیما کے ذریعہ ہر قسم کے شکوک و شبہات ختم کر دیے گئے کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور ختم نبوت کے وقت کو بھی وہی جانتا ہے کہ کب اس کا وقت ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی [3] رسالت اور نبوت ختم ہو گئی میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبیؐ۔

فجئت فختمت الانبیاء [4] میں آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔

اس مضمون کی اور بہت سی حدیثیں مختلف حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ (نبوت و ختم نبوت کی مزید تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "حدیث کا درایتی معیار" دیکھنا چاہیے۔)

---

[1] الاحزاب، آیت ۴۰۔ [2] اقرب الموارد ولسان العرب اور قاموس وغیرہ۔

[3] مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک و ترمذی کتاب الرؤیا باب ذہاب النبوۃ

[4] مسلم ج ۲ کتاب الفضائل باب خاتم النبیین۔

⁂

قرآنی حکمت کے لیے سماج کا مطالعہ

سماج کی تشکیل سے متعلق جو قرآنی آیتیں ہیں ان میں غور و فکر سے اس نگاہ کا تعین ہوتا ہے جو قرآنی حکمت کے لیے درکار ہے۔ مثلاً:

سماج کی ابتدائی تشکیل | سماج ایک ہی خاندان کے افراد کی جمعیت کا نام ہے جن کی طبعی قوتوں اور امکانی صلاحیتوں کے ظہور میں فرق ہوتا ہے۔ یہ جمعیت پہلے دو افراد پر مشتمل تھی پھر ان کی نسل سے رفتہ رفتہ آبادی کی کثرت ہوئی اور ان کی ضرورتوں میں اضافہ ہوا۔ جیساکہ قرآن حکیم میں ہے:

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیرا و نساءا۔[1]	اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلادیں۔
ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ و جعل منھا زوجھا لیسکن الیھا۔[2]	اللہ ہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا کہ وہ اس سے تسکین پائے۔
یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ و جعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔[3]	اے لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو۔"

سماج کی آسمانی مدد و رہنمائی کی ضرورت | سماج کے افراد میں پہلے یگانگت تھی کوئی اختلاف نہ تھا فطری ہدایت پر قناعت تھی اور کوئی تفرقہ نہ تھا۔ پھر آبادی کی کثرت اور ضروریات زندگی کی وسعت کی وجہ سے رقابت و کشمکش پیدا ہوئی اور باہمی اختلاف و نزاع کی نوبت آئی جس کو رفع کرنے کے لیے فطری ہدایت ناکافی قرار پائی اور خارجی مدد و رہنمائی کی ضرورت ہوئی بس یہیں سے آسمانی مدد و رہنمائی کا وہ سلسلہ شروع کردیا گیا جس کی نشان دہی اللہ نے بالکل ابتدا میں آدمؑ اور اولاد آدمؑ سے کردی تھی۔

سماج کی ابتدائی یگانگت کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا۔[4] لوگ ابتدا میں ایک ہی امت تھے پھر آپس میں اختلاف کیا۔

---

[1] النساء آیت۔ [2] الاعراف۔ آیت ۱۸۹۔ [3] الحجرات۔ آیت ۱۳۔

[4] یونس آیت ۱۹۔

کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بینھم فیما اختلفوا فیہ [1]

" لوگ ایک ہی امت تھے (انھوں نے اختلاف کیا) تو اللہ نے انبیاء بھیجے جو خوشخبری سناتے اور خبردار کرتے ہوئے آئے اور ان کے ساتھ کتاب بھیجی قول فیصل کے ساتھ تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے تھے ان میں وہ فیصلہ کر دے "

آدمؑ سے ابتدائی نشان دہی یہ ہے:

فاما یأتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کفروا وکذبوا بایتنا اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون [2]

" اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو کفر کریں گے اور میری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے "

اولادِ آدم سے ابتدائی نشان دہی یہ ہے۔

یبنی آدم اما یأتینکم رسل منکم یقصون علیکم ایتی فمن اتقی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کذبوا بایتنا واستکبروا عنھا اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون [3]

" اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں تم کو میری آیات سناتے ہوئے تو جو ڈرا اور جس نے اصلاح کر لی اس کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو میری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبر کرکے ان سے اعراض کریں گے وہی دوزخ والے ہیں "

آسمانی مدد و رہنمائی کی چند شہادتیں اور ان کے خاص کرنے کی وجہ | سماج کی آسمانی مدد و رہنمائی کا یہ سلسلہ نبوتؑ اور رسولتؑ (خاص قسم کے جینئس) کے ذریعہ چلتا رہا جو اعلیٰ ترین وافضل ترین فرد ہوتے تھے کہ اس سے بہتر و محفوظ کوئی اور شکل ممکن نہ تھی یہ حضرات ہر جگہ، ہر قوم اور ہر ملک میں بھیجے گئے۔ کسی دور و زمانہ کا سماج ان سے محروم نہیں رہا۔ قرآن حکیم میں نمونہ کے طور پر شہادت کے لیے چند انھیں نبیوں اور رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی قوم نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا تھا اور جن کا سماج اتار چڑھاؤ اور عروج و زوال کی پوری داستان اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔ ابتدا حضرت نوح (علیہ السلام) کے

[1] البقرہ آیت ۲۱۳۔ [2] البقرہ آیت ۳۸۔۳۹۔ [3] الاعراف آیت ۳۵۔۳۶۔

تذکرہ سے کی گئی جن کی قوم سرزمین دجلہ و فرات کے دوآبہ (تمدن کا نہایت گہوارہ) میں آباد تھی۔ پھر عراق وشام، فلسطین اور مصر میں آباد قوموں اور ان میں بھیجے گئے نبیوں اور رسولوں کا تذکرہ ہے جن سے قرآن کے مخاطبین کسی نہ کسی درجہ میں باخبر تھے۔ نمونہ اور شہادت کے لیے اگر ان نبیوں اور رسولوں کو منتخب کیا جاتا جن سے لوگ بالکل ناواقف ہوتے تو پہلے ان کے وجود کا ثبوت ضروری ہوتا پھر اس کے بعد ان کو بطور نمونہ و شہادت پیش کرنے کا حق حاصل ہوتا اور اس طول طویل طریق کار کے الجھاؤ میں وہ مقصد فوت ہو جاتا یا ثانوی درجہ میں آجاتا جس کے لیے قرآن نازل ہوا ہے۔

ثبوت میں چند آیتیں | ان آیتوں میں مختلف عہدوں، قوموں اور زمانوں میں آسمانی مدد و رہنمائی کا ذکر ہے۔

وکم ارسلنا من نبیٍّ فی الاولین [1]
"اور کتنے ہی نبی ہم نے پہلے لوگوں (ابتدائی عہد) میں بھیجے۔"

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک [2]
"اے پیغمبر! ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے بیان کیے اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں بیان کیے۔"

ورسلاً قد قصصنٰہم علیک من قبل ورسلاً لم نقصصہم علیک [3]
"ہم نے بہت سے رسولوں پر وحی بھیجی جن کا حال ہم پہلے تم سے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے رسولوں کا حال نہیں بیان کیا۔"

ان من امۃ الا خلا فیہا نذیر [4]
"کوئی امت ایسی نہیں کہ اس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔"

لکل قومٍ ھاد [5]
ہر قوم کے لیے ہدایت دینے والا ہے۔

لکل امۃ رسول [6]
ہر امت کے لیے رسول ہوا ہے۔

طبعی قوتیں و امکانی صلاحیتیں مدد و رہنمائی کے لیے ناکافی ہیں | طبعی قوتوں اور امکانی صلاحیتوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خود سماج کی مدد و رہنمائی کے لیے کافی ہیں کسی خارجی مدد و رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے لیکن جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ یہ قوتیں اور صلاحیتیں نوری امتزاج کے بعد بارآور ہوتی ہیں۔ انفرادی نوعیت میں اگرچہ سادہ اور سلجھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں لیکن امتزاج کے بعد نہایت پیچیدہ اور الجھی ہوئی بن جاتی ہیں جس طرح سونا کان سے نکل کر خام حالت میں ہوتا ہے اسی طرح یہ قوتیں اور صلاحیتیں خام حالت میں

---

[1] الزخرف آیت ۶۔ [2] المومن، آیت ۷۸۔ [3] النساء آیت ۱۶۳۔ [4] الرعد آیت ۷۔ [5] یونس، آیت ۴۷۔ [6] یونس آیت ۴۷۔

ہوتی ہیں جن کے تزکیہ (صیقل کرنا، نکھار پیدا کرنا) اور تنمیہ (توانائی برقرار رکھنا اور بتدریج ترقی دینا) دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں ان سے سماج کی تمام تر مدد و رہنمائی کی توقع بے سود ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ جو آسمانی مدد و رہنمائی آتی ہے وہ ان کو صیقل کرتی ان میں نکھار پیدا کرتی، ان کی توانائی برقرار رکھتی اور ان کو بتدریج ترقی دیتی ہے پھر وہ اپنی شکل میں ظہور کے قابل بنتی ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ہے:

وعلم آدم الاسماء کلھا[1]	اللہ نے آدمؑ کو سارے نام سکھا دیے۔
علم الانسان ما لم یعلم[2]	انسان کو وہ سکھایا جو جانتا نہ تھا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے مواقع پر علم سے اجمالی علم[3] ہی مراد ہو سکتا ہے جس سے قوت و صلاحیت کی طرف اشارہ ہے

مدد و رہنمائی کا کردار اس آیت میں ہے۔

یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل ویخرجھم من الظلمت الی النور[4]	جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اس کے ذریعہ اللہ ان کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے اور اپنی توفیق سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

آسمانی مدد و رہنمائی کی نوعیت و جامعیت | نبیوں اور رسولوں نے متفقہ طور پر جن امور کی دعوت دی ان سے مدد و رہنمائی کی نوعیت و جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً عقائد و عبادات، نیکی کی قسمیں صالح و مفید کو لینا، فاسد و نقصان دہ کو چھوڑ دینا لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنا، ظلم و زیادتی سے روکنا، نکاح کو پاکیزہ و مقدس سمجھنا، بدکاری کو گندی و قابل کراہت جاننا، صالح اور مضر افکار کے درمیان تفریق کرنا، حلال و حرام اور پاکیزگی و گندگی کے درمیان امتیاز کرنا۔ گنہگاروں پر اللہ کی سزائیں قائم کرنا۔ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنا اور امرِ الٰہی کی نشر و اشاعت میں اجتہاد سے کام لینا۔

آسمانی مدد و رہنمائی کا کردار | آسمانی مدد و رہنمائی کا یہ کردار قوتوں اور صلاحیتوں کے رگ و ریشہ میں سرایت ہوتا اور نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہا اور سماجی زندگی میں اس کے اثرات و خواص نمایاں ہوتے رہے اس طرح جس قدر بھی قوتیں اور صلاحیتیں ظہور پذیر ہوئیں یا بعد میں ہوں گی کوئی بھی مدد و رہنمائی کے پرتو سے بے نیاز نہیں

[1] البقرہ آیت ۳۱۔ [2] العلق آیت ۵۔ [3] قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری آیت ۳۱، البقرہ۔ [4] المائدہ آیت ۱۶

ہوسکی اور ان کے ذریعہ جس قدر سماجی زندگی کی ترقی ہوئی یا آئندہ ہوگی ان سب میں اس کی جلوہ آرائیوں سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

آسمانی مدد و رہنمائی نوری کرنوں کو غذا پہنچاتی ہے | دراصل یہ آسمانی مدد و رہنمائی ان رکاوٹوں کو دور کرتی ہے جو قوتوں اور صلاحیتوں کے اصلی ظہور میں مانع ہوتی ہیں اور وہ غذا فراہم کرتی ہے جو ان کی توانائی برقرار رکھنے اور ان کو بتدریج ترقی دیتے رہنے کے لیے درکار ہوتی ہے جس طرح نامیاتی لہروں کے لیے مادّی غذا کی ضرورت ہے اسی طرح نوری کرنوں کے لیے نوری غذا کی ضرورت ہے۔ لیکن دونوں کی نوعیت و کیفیت اور حاصل کرنے کے طریق میں فرق ہے۔

(۱) لہروں کو زمینی پیداوار سے مناسبت ہے کہ پیکرِ انسانی زمین ہی کے اجزاء سے تیار کیا گیا ہے اور کرنوں کو آسمانی پیداوار سے مناسبت ہے کہ وہ خالص قدرتی عطیہ ہے کسی میکانکی عمل کا نتیجہ نہیں ہے۔

(۲) زمینی پیداوار سے طبعی مناسبت کی وجہ سے مادی غذا کی شناخت و تلاش میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی ہے جب کہ آسمانی پیداوار سے فطری مناسبت کے باوجود نورانی غذا کی معرفت و تلاش میں دشواری ہوتی ہے۔

(۳) مادی غذا پر بقائے حیات موقوف ہے اور زندگی باقی رکھنے کے لیے ہر شخص چار و ناچار اس کو حاصل کرنے پر مجبور ہے۔ اور نورانی غذا پر بقائے حیات نہیں بلکہ بقائے انسانیت موقوف ہے کہ اس کو حاصل کیے بغیر بھی انسان زندہ رہتا ہے۔ اگرچہ طبعی قوتوں اور امکانی صلاحیتوں کا ہمہ جہتی ظہور نہیں ہوتا ہے۔

(۴) مادّی غذا کی ضرورت کے پیش نظر صرف اس حد تک اس پر حدبندی و پابندی درکار ہے کہ اس کی وجہ سے نوری غذا اور اس کی کارکردگی متاثر نہ ہونے پائے اور نوری غذا کی نزاکت کے پیش نظر تجویز، تشخیص اور تعیین کے ہر ہر مرحلہ میں کڑی نگرانی کی ضرورت ہے۔

زندگی کے طلب و رسد میں توازن برقرار رکھتی ہے | مذکورہ آسمانی مدد و رہنمائی حلال و حرام جائز و ناجائز اور پاکیزگی و گندگی میں تفریق کر کے ایک طرف مادی غذا کی حدبندی کرتی اور اس پر پابندی لگاتی ہے اور دوسری طرف ذہنی و فکری اور عملی پروگرام مرتب کر کے نوری غذا کی تجویز تشخیص اور تعیین کرتی اور اس پر کڑی نگرانی رکھتی ہے کہ اگر افراط و تفریط پائی گئی تو قوتوں اور صلاحیتوں کی کارکردگی میں تناسب نہ پایا جائے گا پھر زندگی کی طلب و رسد میں توازن نہ برقرار رہے گا اور پھر سماج سے عدل و اعتدال رخصت ہو جائے گا جو مدد و رہنمائی کا مقصود مطلوب ہے۔

طبعی قوتوں اور امکانی صلاحیتوں کے لیے مادی و نورانی غذا کی فراہمی کے باوجود ان کے ظہور میں فرق ہونا

ناگزیر ہے کہ اسی پر نظام عالم کا بقاء و ارتقاء موقوف ہے اگر ظہور میں یکسانیت پیدا ہو جائے تو زندگی کی جد وجہد میں مسابقت نہ باقی رہے گی اور کائنات ہست و بود کی نیرنگیاں وگلکاریاں ختم ہو جائیں گی۔

قرآنِ حکیم میں ہے:

هو الذی جعلکم خلٰئف فی الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت لیبلوکم فیما اٰتٰکم[1]

"اللہ ہی ہے جس نے تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور ایک کے درجے دوسرے پر بلند کیے تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں بخشا ہے اس میں تم کو آزمائے۔"

ظہور میں اسی فرق کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ واذا سمعتم برجل تغیر عن خلقہ فلا تصدقوا بہ[2]

جب تم کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو صحیح مان لو لیکن کسی انسان کے بارے میں سنو کہ اس کی خلقت بدل گئی تو صحیح نہ مانو بالآخر وہ اپنی جبلت کی طرف واپس آئے گا۔

ایک حدیث کی توجیہ حدیث میں صرف اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی قوت وصلاحیت نہ جڑ سے اکھاڑ پھینکی جا سکتی ہے اور نہ ظہور کے فرق کو بالکلیہ ختم کر کے یکسانیت پیدا کی جا سکتی ہے تعلیم وتربیت اور ماحول کی کارگذاری سے انکار نہیں ہے۔ بلا شبہ قوتوں اور صلاحیتوں کے ظہور میں تعلیم وتربیت اور ماحول کو کافی دخل ہے کہ ان کے بغیر بے شمار قوتیں اور صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں یا حسب حیثیت ترقی نہیں کر پاتی ہیں، لیکن بعض ترقی یافتہ ممالک میں فرق مٹا کر یکسانیت پیدا کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ اب تک کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ چنانچہ ان کے اداروں میں یکساں تعلیم وتربیت اور ایک ہی ماحول کے باوجود بچوں کی قوتوں اور صلاحیتوں کے ظہور اور ان کے نتائج میں فرق موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ اس فرق کو جڑ سے نہیں اکھاڑ پھینکا جا سکتا ہے۔ تعلیم وتربیت اور ماحول کی کارگذاری قوتوں اور صلاحیتوں کو صیقل کرنے اور حسب حیثیت ان کو ترقی دینے ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔

سماج کی آسمانی مدد ورہنمائی مطلوبہ حد تک جاری رہی سماج کی آسمانی مدد ورہنمائی کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ طبعی قوتیں وصلاحیتیں خام حالت میں تھیں اور بتدریج ان کو ترقی دینے اور

---

[1] الانعام آیت ۱۶۵۔ [2] مسند احمد ج ۲ من حدیث ابی الدرداء، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر الفصل الثالث۔

ان میں مضبوطی و پختگی پیدا کرنے کا مرحلہ درپیش تھا۔..........

....

جس میں ترقی، مضبوطی و پختگی اس حد تک مطلوب تھی کہ قوتوں اور صلاحیتوں میں خودنگہی و خود اعتمادی کا ایک ایسا درجہ نمودار ہو جائے کہ قدم قدم پر آسمانی مدد و رہنمائی کی ضرورت نہ محسوس ہو جیساکہ عام زندگی میں اس درجہ سے پہلے مدد و رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اور ختم نبوتؐ سے پہلے کی قوموں کے واقعات و حالات سے ثابت ہے کہ ان میں خودنگہی و خود اعتمادی اس درجہ کی نہ پیدا ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ ہر اہم کام کے وقت آسمان پر ان کی نظر رہتی اور بطور خود کسی فیصلہ تک پہنچنے میں غیر معمولی جھجک محسوس ہوتی تھی۔

مطلوبہ حد کے بعد اس کا روک دینا ضروری تھا | اس مرحلہ میں اگر یہ سلسلہ جاری نہ رہتا تو موجودہ خام حالت کو استقرار و جماؤ حاصل ہو جاتا اور وہ درجہ نہ نمودار ہوتا جو مطلوبہ سرفرازیوں کے لیے درکار تھا چنانچہ اس مرحلہ کی آسمانی مدد و رہنمائی میں ایک طرف مختلف امتوں اور قوموں کی ذہنی استعداد کے لحاظ سے تفاوت تھا جس کو شریعت (دستور العمل) و منہاج (طور طریقہ) کا اختلاف کہا جاتا ہے (نہ کہ دین کا اختلاف) اور دوسری طرف قوتوں اور صلاحیتوں کی تدریجی ترقی اور سماجی ضرورتوں میں تدریجی اضافہ کے لحاظ سے اس (شریعت و منہاج) کے اجزاء میں بھی ارتقاء و اضافہ ہوتا رہا اور پہلے سے بہتر شکل دینے کی کوشش جاری رہی کہ اس کے بغیر حسب استعداد ہونے کی کوئی شکل نہ تھی۔

قرآن حکیم میں ہے:

لکل جعلنا منکم شرعۃً و منھاجا۔[1] — تم میں ہر ایک کے لیے ہم نے شریعت (دستور العمل) اور منہاج (طور طریقہ) مقرر کیا۔

آیت نسخ سے بھی تدریجی ارتقاء و اضافہ کا ثبوت ملتا ہے۔

ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا[2] — ہم جو کچھ بدل دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم لاتے ہیں۔

نسخ (رد و بدل) میں پچھلی تعلیم موجود تھی اور نسیان میں پچھلی تعلیم فراموش یا نظر انداز ہو گئی تھی لیکن دونوں صورتوں میں ہر نئی تعلیم پچھلی سے بہتر یا اس کے مثل تھی کمتر نہ تھی کیونکہ بتدریج ترقی مضبوطی اور پختگی کی طرف لے جانے کے لیے اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔

---

[1] المائدہ آیت ۴۸۔ [2] البقرہ آیت ۱۰۶۔

اوپر کی آیت لکل جعلنا الخ کے بعد ہے۔

ولکن لیبلوکم فیما آتاکم[1] الخ — لیکن اللہ تعالیٰ اس میں آزمائش کرتا ہے جو اس نے تم کو دیا۔

مولانا حمید الدین فراہی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے۔

فلا یبتلی اللہ الامۃ الا فیما آتاھم فلذلک جعل شرائع کل امۃ حسب حالھا ومن ھذہ الجھۃ اختلافھم وجاء اکمل الشرائع لاکمل الامم۔[2]

اللہ تعالیٰ انھیں (قوتوں اور صلاحیتوں میں آزمائش کرتا ہے جو اس نے لوگوں کو دیا ہے اسی وجہ سے امت کی شریعتیں ان کے حسب حال مقرر کی گئیں اور کامل شریعتیں (پہلے کے لحاظ سے) کامل (پہلی کے مقابلہ میں) امتوں کے لیے آئی ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

من اصول التشریع التدریج وھذا حسب الاستعداد وکما تری فی الخلقۃ وفی ترقیۃ العلوم والصنائع والاخلاق فلابد من النسخ علی طریق الزیادۃ واما النسخ بالبدل ففیہ ایضا زیادۃ من جھۃ الحکمۃ۔[3]

شریعت سازی کے اصول میں بتدریج اور یہ استعداد کے لحاظ سے ہے جیسا کہ تم پیدائش، علم، صنعت اور اخلاق کی ترقی میں تدریج دیکھتے ہو اس بنا پر نسخ (ردو بدل) ضروری ہے۔ یہ نسخ اضافہ کرکے ہوتا ہے لیکن بدل اور مثل کے ساتھ جو ہوتا ہے اس میں بھی حکمت کی جہت سے اضافہ ہوتا ہے۔

آسمان سے صرف مدد و رہنمائی آتی ہے سماج نہیں آتا ہے | غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آسمان سے صرف مدد و رہنمائی آتی ہے سماج نہیں آتا ہے وہ اس دنیا میں انسان کے ہاتھوں وجود میں آتا اور ترقی پاتا ہے جس میں خیر کے ساتھ شر حسن کے ساتھ قبح اور خوبی کے ساتھ خامی کا ظہور ہوتا ہے پھر سماج کی قوت محرکہ (شعور و خواہش ضرورت، تقاضے اور مطالبے) میں جس قسم کا شدید تصادم ہوتا اور نتیجہ میں جس قسم کا تضاد رونما ہوتا ہے اس سے سماج کے کسی مرحلہ میں بھی محض خیر، حسن اور خوبی کی توقع رکھنا فضول ہے اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ ان سب (خیر، حسن، خوبی) کو سماج میں اپنی توانائی برقرار رکھنے اور اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے اپنے مقابل (شر، قبح، خامی) کی ضرورت ہے۔ یہ تو آسمانی مدد و رہنمائی کی کرشمہ سازی ہے کہ ایک طرف وہ طبعی قوتوں کے تزکیہ (صیقل کرنے) تغذیہ (غذا پہنچانے) تنمیہ (آگے بڑھانے) اور رکاوٹوں کے ازالہ کا بندوبست کرتی ہے اور دوسری طرف

---

[1] المائدہ آیت ۴۸۔ [2] حمید الدین فراہی القاید الی عیون العقائد النبی والامۃ والمائلۃ [3] مخطوط از فراہی رح

خیر وشر، حسن وقبح اور خوبی وخامی کی نشان دہی کرکے ان کے معیارات قائم کرتی ہے۔ پھر خیر وشر، حسن وقبح اور خوبی وخامی کے درمیان نسبت اور زندگی کے گوشوں میں عدل واعتدال کی قوت کو ملحوظ رکھ کر مثالی سماج کا نمونہ پیش کرتی ہے۔

موجودہ سماج کے ساتھ آسمانی مدد ورہنمائی کا رویہ | موجودہ سماج کے ساتھ اس کا رویہ نہایت ہمدردانہ فیاضانہ اور مصالحانہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

والذی اتی بہ الانبیاء قاطبۃ من عند اللّٰہ تعالیٰ فی ھذا الباب الخ۔[1]

انبیاء علیہم السلام اللہ رب العزت کی طرف سے جو احکام وشرائع لاتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قوم کے پاس معاشرت اور معاملات وغیرہ کے جو قواعد وقوانین ہوتے ہیں ان میں وہ اصلاحی وانتفاعی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالتے ہیں۔ کھانے پینے کے آداب، لباس، عمارت زیب وزینت کے طور طریقے، نکاح کے دستور اور آپس میں نکاح کرنے والوں کی سیرت، بیع وشراء کے قاعدے وقانون اور ان کے علاوہ جرائم سے روک تھام اور معاملات کے تصفیہ وغیرہ سے متعلق اصول وضوابط جو لوگوں میں رائج ہوتے ہیں۔ اگر وہ مجموعی طور پر شریعت کی پالیسی اور رائے کلّی کے مطابق ہوتے ہیں تو یہ حضرات ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کی رائے کو قوت پہنچاتے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تاکید کرتے ہیں اور اگر وہ کلّی پالیسی کے مطابق نہیں ہوتے ہیں یعنی ان میں انفرادی واجتماعی ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے، لذات دنیوی میں انہماک اور روح شریعت سے اعراض پر مبنی ہوتے ہیں یا دینی ودنیوی مصلحتوں کے فوت ہونے کا خطرہ رہتا ہے جن کی بناء پر ان مراسم واحکام میں تبدیلی یا انھیں بالکلیہ ختم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی صورت میں بھی یہ حضرات ان کے مرغوبات ومالوفات کی رعایت کرتے ہیں بلکہ ان کے مماثل ومشابہ جو چیزیں قوم میں رائج ہوتی ہیں یا ان میں صالح شخصیتوں کی طرف مشہور ومنسوب ہوتی ہیں ان کے مماثل ومشابہ کی طرف قوم کو دعوت دیتے ہیں۔"

دوسری جگہ ہے:

فما کان صحیحا موافقا لقواعد السیاسیۃ الملیۃ لا یغیرہ بل تدعوا الیہ وتحث علیہ وما کان سقیما قد دخلتہ التحاریف	ان احکام ومراسم میں جو باتیں صحیح اور ملّی سیاست کے اصول کے مطابق ہوتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی طرف دعوت دیتے اور

[1] شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغۃ۔ باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم۔

فانها تغیرہ بقدر الحاجۃ وما کان حریًّا ان یزاد فانها تزید علی ما کان عندهم [1]

قوم کو ابھارتے ہیں جو باتیں بری ہوتی ہیں یا احکام ہیں تبدیلی کر دی جاتی ہے تو بقدر ضرورت ان میں ترمیم کر دیتے ہیں۔ اور جن میں اضافہ کی ضرورت ہوتی ہے ان میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

قالب وڈھانچہ کی تیاری اس طرح آنے والی آسمانی مدد و رہنمائی مروجہ احکام و مراسم اور لوگوں کے مرغوبات و مالوفات کے قلع قمع کرنے میں شمشیر بے نیام نہیں ہوتی کہ جو بات بھی مروّج دیکھی اس کو ختم کر دیا۔ یا جو لوگوں کی پسندیدہ چیز ہوئی اس سے روک دیا بلکہ عوامی شعور کی کیفیت اور سماجی برداشت کی طاقت کا اندازہ کرکے "خذ ما صفا ودع ما کدر" (جو صاف ہو اسے لے لو اور جو گدلا ہو اسے چھوڑ دو) پر عمل کرکے وہ قالب وڈھانچہ تیار کرتی یا دستور العمل مرتب کرتی ہے جس کا نام شریعت و منہاج گذر چکا۔

قالب وڈھانچہ کی تیاری یا دستور العمل کی ترتیب میں آسمانی مدد و رہنمائی کی نظر کن کن چیزوں پر ہوتی اس کو کن کن گوشوں تک رسائی حاصل کرنی پڑتی اور کن کن رکاوٹوں کو دور کرنا پڑتا ہے۔ پھر تجویز و تشخیص کے ہر مرحلہ میں کن کن باتوں کی رعایت ضروری قرار پاتی ہے ان سب کو کسی درجہ میں سمجھنے کے لیے طبیب حاذق کے کام میں غور کرنے کی ضرورت ہے جس کی نظر مرض کی قوت، اس کی نوعیت، مریض کی عمر، جائے رہائش اور موسم نیز دوا، غذا کی قوت ان کی خاصیت و اثر اور پرہیز سے متعلق باتوں پر ہوتی ہے جن کو ملحوظ رکھ کر وہ بہت سی ان باتوں کی خبر دیتا جن کو لوگ نہیں جانتے ان باریکیوں تک رسائی حاصل کرنا جن سے وہ لاعلم ہوتے ہیں، کبھی وہ محسوس کو غیر محسوس کے قائم مقام قرار دیتا مثلاً چہرہ کی سُرخی کو غلبۂ خون کی علامت بتاتا، کبھی دوا کی مخصوص مقدار کو ازالۂ مرض کے قائم مقام بتاکر قاعدہ کلیہ وضع کرتا ہے۔ مثلاً جو شخص فلاں دوا، یا معجون کی اتنی مقدار نہ استعمال کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ کبھی وہ مرض کی نوعیت اور مریض کی کیفیت دیکھ کر نئے مرکبات تیار کرکے ان کو مخصوص امراض کے لیے تیر بہدف ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح مرض کے ازالہ اور صحت کی بحالی کے لیے جو دوا و غذا تجویز کرتا ہے اس میں وہ نبض کی حرکت، مریض کی حرارت مرض اور مزاج کی کیفیت قویٰ، عمر اور موسم سب کو ملحوظ رکھتا ہے۔ پھر مریض، مرض اور موسم کے احوال میں تبدیلی کے ساتھ دوا اور غذا میں معمولی تبدیلی کرتا رہتا ہے اگر سابقہ احوال پھر واپس آجاتے ہیں تو سابقہ لکھی ہوئی دوائیں اور غذائیں دوبارہ استعمال کرانے لگتا ہے اور ان سب سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مزاج میں اعتدال کی کیفیت اور طبیعت میں مدافعت کی

---

[1] ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ باب اسباب النزول الشرائع الخاصۃ الخ۔

قوت بحال ہو کر ان سے بجائے خود ازالۂ مرض ہوتا ہے۔

ایک مثال کے ذریعہ وضاحت | حضرت شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں۔

انما مثلہ کمثل الطبیب یعمل الی حفظ المزاج المعتدل فی جمیع الاحکام فتختلف احکامہ باختلاف الاشخاص والزمان فیامر الشاب بما لا یامر الشائب ویامر فی الصیف بالنوم فی الجو لما یری ان الجو مظنۃ الاعتدال حینئذ ویامر فی الشتاء بالنوم داخل البیت لما یری انہ مظنۃ البرد حینئذ۔ لہ

اس کی مثال طبیب جیسی ہے کہ وہ ہر حالت میں معتدل مزاج کی حفاظت ضروری سمجھتا ہے طبیب کے احکام (تشخیص و تجویز سے متعلق) زمانہ اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں جو ان کے لیے جو تجویز کرتا ہے بوڑھے کے لیے وہ نہیں کرتا۔ موسم گرما میں کھلی فضا میں سونے کے لیے کہتا ہے اور موسم سرما میں گھروں کے اندر سلاتا ہے موسم کے اس اختلاف کی بنا پر مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کی خاطر اپنی ہدایات کے اختلاف کو وہ ضروری قرار دیتا اور اسی پر اس کا عمل درآمد ہوتا ہے۔

اوپر انسان سے متعلق مباحث میں گذر چکا ہے کہ اعلیٰ قدروں کے نقوش انسان کی ساخت میں ثبت ہیں دین کے نام سے انھیں کا نوری پیکر تیار کیا جاتا ہے جس کے اجزاء یہ ہیں:

(۱) ایمان و اعتقاد (۲) طہارت و پاکی۔
(۳) عبادت و طاعت (۴) نیکی و بدی
(۵) پاکیزگی و گندگی۔

ان اجزاء کو عملی شکل دے کر جو دستور العمل مرتب کیا جاتا یا جو قالب وڈھانچہ تیار ہوتا ہے اس کا نام شریعت و منہاج ہے۔ ان اجزاء میں بعض حقائق کے قالب وڈھانچے اللہ کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں اور بعض کے قالب وڈھانچے اللہ کی ہدایت سے رسول و نبی مقرر کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسی کی مناسبت سے دو لفظ لائے گئے ہوں۔ پہلی کو شریعت اور دوسری کو منہاج کہا گیا ہو۔

لہ حجۃ اللہ البالغہ باب اسباب نزول الشرائع الخاصۃ الخ

آسمانی مدد و رہنمائی کا سلسلہ ختم کرنے کا وقت | سماج کی آسمانی مدد و رہنمائی کا سلسلہ اس وقت ختم کر دیا گیا جب کہ طبعی قوتوں اور صلاحیتوں میں خود نگہی و خود اعتمادی کا وہ درجہ نمودار ہو گیا کہ ایک کامل و جامع مدد و رہنمائی کے ذریعہ ان قوتوں اور صلاحیتوں کی ضابطہ بندی کی جا سکے اور پھر خود غور و فکر کر کے اہم معاملات میں کسی نتیجہ و فیصلہ پر پہنچنے میں تردد نہ ہو۔

غالباً اسی درجہ کی طرف قرآن حکیم کی ان آیتوں میں اشارہ ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔[۱]

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تمہارے لیے اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ[۲]

آپ کے رب کی سچائی اور انصاف کی باتیں کامل ہو گئیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلت على الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم۔[۳]

میں نبیوں پر چھ چیزوں میں فضیلت دیا گیا ہوں ان میں ایک یہ ہے کہ "جوامع الکلم" مجھے عطا ہوا ہے۔

دوسری روایت میں ہے۔

بعثت بجوامع الكلم[۴]

میں "جوامع الکلم" کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علم فواتح الخير وجوامعه[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور خیر کے "جوامع" کی تعلیم دی گئی۔

"جوامع الکلم" سے مراد آسان و مختصر الفاظ میں کثیر معانی پائے جائیں۔[۶] چنانچہ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

جوامع الكلم هي الالفاظ الكلية العامة المتناولة لافرادها۔[۷]

جوامع الکلم وہ عام کلی الفاظ جو اپنے تمام افراد کو شامل ہوں۔

---

[۱] المائدہ آیت ۳۔ [۲] الانعام آیت ۱۱۶۔ [۳] و[۴] مسلم ج ۱ کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ [۵] نووی شرح مسلم حوالہ بالا۔ [۶] مسند احمد حنبل ج ۱ ص ۴۰۸ عن عبداللہ بن مسعود۔ [۷] ابن قیم، اعلام الموقعین ج ۱ تفسیر جوامع الکلم۔

ختم کا وقت آنے کے بعد اس کا جاری رہنا سخت مضر تھا | اس درجہ میں آسمانی مدد و رہنمائی کا جاری رہنا اور اس میں ردّ و بدل کرتے رہنا دونوں سخت مضر تھے کہ اُن سے خود نگہی و خود اعتمادی کو ٹھیس پہنچتی اور سماجی تعمیر و ترقی کی وہ مخفی صلاحتیں بروئے کار نہ آئیں جن کے لیے سلسلہ ختم ہونا ضروری تھا۔

ختم سے پہلے کے چند واقعات سے ثبوت | چنانچہ کامل و جامع مدد و رہنمائی سے پہلے قوتوں اور صلاحیتوں میں کمی کی طرف اشارہ ان واقعات میں ہے۔

(۱) مصر سے نکلنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کو فلسطین میں آباد ہونے کا حکم دیا اور ہر طرح اللہ کی مدد کا یقین دلایا، لیکن اس کے جواب میں بنی اسرائیل نے کہا:

یٰموسیٰ انا لن ندخلھا ابداً ما داموا فیھا فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ [۱]	اے موسیٰؑ ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ (باشندے) اس میں موجود ہیں۔ آپؑ اور آپؑ کے رب دونوں جا کر ان سے لڑیئے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

اہل نظر سے مخفی نہیں ہے کہ اس جواب میں جس طرح زوال زدگی کا اثر موجود ہے اسی طرح خود نگہی و خود اعتمادی میں کمی کا بزبانِ حال اعتراف موجود ہے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

یٰقوم ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم ولا ترتدوا علی اعقابکم فتنقلبوا خسرین قالوا یٰموسیٰ ان فیھا قوما جبارین وانا لن ندخلھا حتیٰ یخرجوا منھا۔ [۲]	"اے میری قوم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھدی ہے اور پیٹھ پیچھے نہ پھیرو ورنہ نامردوں میں سے ہو کر رہ جاؤ گے تو انھوں نے کہا کہ اس میں بڑے زور آور لوگ ہیں ہم اس میں اس وقت تک نہ داخل ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔

(۲) قتل کے ایک خاص واقعہ میں قاتل کا پتہ لگانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کی اور اس کے خون و گوشت کے پاس جمع ہو کر سر برآوردہ لوگوں کو قسم کھانے کا حکم دیا جو قسامہ کی ایک شکل تھی اس حکم کی تعمیل میں بنی اسرائیل نے گائے سے متعلق جس قسم کے سوالات کیے تھے [۳] (مثلاً اس کا رنگ کیسا ہو، اس کی عمر کیا ہو، جوان ہو یا بوڑھی ہو، زمین جوتنے یا سیراب کرنے کا کام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو وغیرہ)

[۱] المائدہ، آیت ۲۴۔ [۲] المائدہ، آیت ۲۱-۲۲۔ [۳] البقرہ آیت ۶۷-۷۲۔

ان سے جس طرح فساد مزاج کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح خود نگی وخود اعتمادی میں کمی کا بھی ثبوت ملتا ہے چنانچہ انھوں نے سوال کرتے کرتے یہ بھی کہا تھا۔

ان البقر تشابہ علینا وانا ان شاء اللہ لمھتدون ۔ لہ	بلا شبہ گائے ہمارے اوپر مشتبہ ہوگئی ہے اگر اللہ نے چاہا تو ہم راہ یاب ہوں گے ۔

بار بار سوالات کرنے اور جواب پانے کے باوجود فیصلہ نہ کرسکنا بجائے خود قوتوں اور صلاحیتوں میں اس کمی پر دلالت کرتا ہے جو کسی نتیجہ تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔

ختم کے بعد کے چند واقعات سے ثبوت | کامل وجامع مدد ورہنمائی کے وقت قوتوں اور صلاحیتوں میں خود نگی وخود اعتمادی پیدا ہونے کی طرف اشارہ ان واقعات میں ہے۔

(۱) جنگ احد میں زخم کھانے اور نقصان اٹھانے کے باوجود جب دشمنوں سے ڈرانے کی کوشش ہوئی اور دوبارہ حملہ آور ہونے کی خبر پھیلائی گئی تو اس خبر سے ڈرنے کے بجائے اور مضبوطی پیدا ہوئی ۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ٢ھ	جن سے لوگوں نے کہا کہ دشمن نے تمہارے لیے بڑی طاقت اکٹھا کی ہے اس سے ڈرو۔ تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کردیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین مددگار ہے ۔

(۲) اسی جنگ احد میں جب صورت دگرگوں ہوئی اور دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا ٣ھ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسولؐ ہیں ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں تو اگر وہ وفات پاگئے یا قتل کردیے گئے تو تم بیٹھ پیچھے پھر جاؤ گے ۔

آیت میں یہ تاثر دینے کی بھی کوشش ہے کہ تم لوگ قوتوں اور صلاحیتوں کے ایک ایسے درجہ پر فائز ہو کہ اگر بالفرض اللہ کے رسول نہ بھی رہے تو بھی تم اس کام کو سنبھال لوگے۔ چنانچہ اس کی تائید حضرت

لہ البقرہ آیت ۷۱۔ ٢ھ آل عمران آیت ۱۷۳۔ ٣ھ البقرہ آیت ۱۴۴۔

ابوبکرؓ کی سب سے پہلی تقریر سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسجد نبویؐ میں کی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں :

الا من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فانہ حی لا یموت	غور سے سن لو۔ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو ان کا وصال ہو گیا اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ زندہ ہے۔ اس کے لیے کبھی موت نہیں۔

اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے مذکورہ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ کو بھی بطور دلیل پیش کیا تھا اور وہی تاثر دینے کی کوشش کی تھی جو اوپر مذکور ہو چکا۔

آخری آسمانی مدد و رہنمائی کی کاملیت و جامعیت قوتوں اور صلاحیتوں کا مذکورہ درجہ نمودار ہونے کے بعد آسمانی مدد و رہنمائی جاری رہنے کی ضرورت اگرچہ باقی نہ رہی لیکن اس کی جامعیت و کاملیت کو عملاً برقرار رکھنے کے لیے اس کی تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کا سلسلہ جاری رہنا ضروری قرار پایا تاکہ ہر دور و زمانہ میں اس کا رشتہ نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر سماج سے منقطع نہ ہونے پائے۔

ظاہر ہے کہ ہر دور کی زندگی اور ہر زمانہ کا سماج انھیں قوتوں اور صلاحیتوں سے وجود میں آئے گا۔ جن کی ضابطہ بندی قوتوں اور صلاحیتوں میں مطلوبہ درجہ نمودار ہونے کے بعد کی گئی ہے۔ اس بنا پر زندگی و سماج کی ترقی سے جس قدر نئی جزئیات پیدا ہوں گی وہ لازمی طور سے آسمانی مدد و رہنمائی کے اصول اور اس کی کلیات میں موجود ہوں گی۔ ضرورت نئی تعبیر و تشریح اور ان سے اخذ و استنباط کی ہے اگر یہ کام نہ کیا جاتا رہا تو آسمانی مدد و رہنمائی کی جامعیت و کاملیت پر حرف آئے گا پھر وہ ایک دور و زمانہ کے ساتھ محدود ہو کر رہ جائے گی حالاں کہ اس کی حفاظت و بقا رکارہتی دنیا تک کے لیے انتظام کیا گیا ہے قرآن حکیم میں ہے :۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔[1]	ہم نے ہی الذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

دوسری جگہ ہے :

[1] الحجر آیت ۹۔

لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ [1]

باطل کا دخل نہ اس کے آگے سے ہے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ حکمت والے اور قابل تعریف کا اتارا ہوا ہے۔

تخلیقی صلاحیتوں کی ضرورت | اس کام کے لیے میکانکی صلاحیتیں ناکافی سمجھی جاتی ہیں کہ ان سے کسی جدید تحقیق، جدید تعبیر اور جدید اسلوب کی نمائندگی کرنے کی توقع بے سود ہے بلکہ اس کے لیے تحقیقی صلاحیتیں درکار ہیں جو نئی تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کے ذریعہ ماضی و حال کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتی اور بہتر مستقبل کے لیے خطوط کی نشان دہی کرتی ہیں۔

اس کام کے لیے سب سے پہلے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جیسا کہ اس آیت میں ہے

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ۔ [2]

اے نبیؐ ہم نے آپؐ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپؐ کو دکھایا۔

ظاہر ہے کہ رویت سے مراد یہاں بصری رویت نہیں بلکہ قلبی رویت ہے جس کی اللہ کی طرف نسبت ہے اور یہ خصوصیت صرف شعور نبوت کو حاصل ہے جو تخلیقی صلاحیت سے بھی بڑھ کر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام وہ لوگ مخاطب ہیں جو اخذ و استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسا کہ ذیل کی آیت میں "لعلھم یتفکرون" کے ذریعہ ایسے تمام لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون۔ [3]

ہم نے آپؐ پر الذکر (قرآن) اتارا تاکہ جو چیز لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے آپؐ ان کے سامنے بیان کر دیں تاکہ وہ خود غور و فکر کریں۔

غور و فکر میں اخذ و استنباط کی صلاحیت کا ثبوت اس آیت میں ہے جس سے تخلیقی صلاحیت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔

ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ [4]

اگر اس کو اللہ کے رسول اور اہل علم تک پہنچا دیتے تو ان میں سے جو استنباط کرنے والے ہیں وہ اس کو سمجھ جاتے۔

---

[1] حم السجدہ آیت ۴۲۔ [2] النساء آیت ۱۰۵۔ [3] النحل آیت ۴۴۔ [4] النساء آیت ۸۲۔

مقام شہادت سے ثبوت | پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن لوگوں کو علمی حیثیت سے مقام شہادت پر کھڑا کیا جاتا ہے ان کے لیے تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ اس کے بغیر وہ انبیاء کے وارث ہونے کے لائق ہوتے اور نہ مقام شہادت کے شرف سے متصف قرار پاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے :۔

لیکون الرسول شہیداً علیکم و تکونوا شہداء علی الناس۔ ؎۱ | تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔

دوسری جگہ ہے :

وکذالک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً۔ ؎۲ | اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو۔

شہادت قول و عمل کی طرح فہم و ادراک سے ہی ہوتی ہے | شہادت جس طرح قول و عمل سے ہوتی ہے فہم و ادراک سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقام شہادت بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ نبوت اگرچہ ختم ہو گئی۔ لیکن کارِ نبوت ہمیشہ باقی رہے اور ہر دور و زمانہ میں تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کی وہ نوع وجود میں آنی ضروری ہو گی کہ اس کے ذریعہ نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر سماج کا نہ صرف رشتۂ آسمانی مدد و رہنمائی کے ساتھ برقرار رہے بلکہ خود مدد و رہنمائی زندگی و توانائی سے بھرپور نظر آئے۔ اور یہ کام قرآنی علم و فہم میں درجۂ حکمت پر فائز ہوئے بغیر نہیں انجام پا سکتے۔

قرآنی حکمت کے لیے کائنات کا مطالعہ

کائنات سے متعلق جو قرآنی آیتیں ہیں ان میں غور و فکر سے اس نگاہ کا تعین ہوتا ہے جو کائنات میں پوشیدہ قرآنی حکمت کے لیے درکار ہے۔

انسان کو کائناتی قوتوں کا علم دیا گیا | اوپر گذر چکا کہ انسان میں نوری صفات کے ساتھ کائناتی خصوصیات موجود ہیں اور انسان کو امکانی صلاحیتوں کی مناسبت سے کائنات کی امکانی قوتوں کا علم دیا گیا ہے۔ جس کی نشاندہی خلافت آدم کے واقعہ میں ابتداءً کر دی گئی تھی اور ان قوتوں کو استعمال کرنے کی ہدایت و تاکید بھی تھی۔

ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین[1] — اور تمہارے لیے زمین میں ایک مدت معینہ تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

"مَتَاعٌ" کا لفظ اپنے عمومی مفہوم میں وقت کے لحاظ سے کائناتی قوتوں سے مستفید ہونے کو جامع ہے۔

پھر حسب وعدہ ہدایت الٰہی آتی رہی اور انسان کو ان قوتوں کو کام میں لانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ کرتی رہی۔

ولکن لکل نبی استخلفھم فی عمارۃ الارض وسیاسۃ الناس وتکمیل نفوسھم وتنفیذ امرہ فیھم[2] — اسی طرح ہر نبیؑ کو زمین کی آبادکاری لوگوں کی سیاست ان کے نفوس کی تکمیل اور ان میں اپنا حکم نافذ کرنے میں خلیفہ بنایا۔

کائنات کی نقاب کشائی | بلاشبہ آسمانی مدد و رہنمائی (ہدایت الٰہی) کا وظیفہ اصلاً انسان ہے لیکن وہ انسان جو کائنات کا قائد اور اس کی قوتوں کا پاسبان ہے اس لحاظ سے جو ہدایت بھی آئے گی وہ کائنات کی نقاب کشائی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہدایت الٰہی ہر دور میں ایک طرف انسان کی نقاب کشائی کرتی رہی اور دوسری طرف کائنات کی بھی نقاب کشائی کرتی رہی دونوں میں فرق یہ رہا کہ انسان کے خد و خال بھی نمایاں کرتی رہی جبکہ

[1] بقرہ آیت ۳۶۔ [2] البیضاوی البقرہ آیت ۳۶۔

کائنات کی صرف نقاب کشائی پر اکتفار کرتی رہی۔

انسان اور کائنات کے درمیان فرق کی وجہ | فرق کی وجہ غالباً یہ تھی کہ انسان کے خدوخال میں ہزار مزاحمتیں اور رکاوٹیں تھیں شیطان نے اس کا چہرہ مسخ کر دینے کی قسم کھا رکھی تھی اور رہر ہر موڑ پر سنگ گراں بن کر حائل تھا اس بنا پر ہدایت الٰہی کو اصلی خدوخال نمایاں کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ کائنات میں صورت حال ایسی نہ تھی، اس کے خدوخال نمایاں کرنے کی خود انسان میں زبردست خواہش و طلب موجود تھی خوب سے خوب تر کی تلاش کا جذبہ موجزن تھا اور ہر اٹھا ہوا قدم آگے بڑھنے کا پیش خیمہ تھا۔

پھر انسان کی نوع بنوع ضرورتوں اور اس کی بے پناہ صلاحیتوں اور کائنات کی بے پناہ امکانی قوتوں کی وجہ سے فطرت خود کاٹ چھانٹ کرتی اور خوب سے خوب تر کو نمایاں کرتی رہتی ہے ایسی حالت میں ہدایت کو خدوخال میں خواہ مخواہ دخل دینے کی ضرورت نہ تھی کہ اس کے بغیر بھی ہدایت کا مقصد حاصل تھا۔

قرآن میں نقاب کشائی کا زیادہ اہتمام ہے | قرآن حکیم ہدایت الٰہی کا آخری اور مکمل اڈیشن ہے اس بنا پر اس میں کائنات کی نقاب کشائی کا زیادہ وسیع پیمانہ پر اہتمام ہے چنانچہ نزول قرآن کے بعد ہی انسان نے کائنات کے مختلف گوشوں میں مختلف پہلوؤں سے غور و فکر کیا اور وقت کے دماغی اختیار کے لحاظ سے حکمت (مصالح و منافع کا برتر نظام) کے دفینے برآمد کیے جو بعد میں مختلف علم و فن کی شکل اختیار کرکے ہمارے سامنے موجود ہیں جن کی کسی قدر تفصیل یہ ہے۔

قرآن سے متعلق آیتیں | قرآن حکیم میں کائنات سے متعلق تقریباً سات سو پچاس آیتیں ہیں جنھیں فکر و نظر کی اصلاح اور ذہنی جستجو کا رخ متعین کرنے کے ساتھ مظاہر کائنات حقائق موجودات، محاسن کائنات مناظر قدرت، مظاہر فطرت اور تسخیر کائنات کا ذکر ہے اسی طرح مختلف آیتوں میں زمین، پہاڑ دریا نہریں، سبزی پھل کھیت سورج چاند ستارے بارش آگ دھواں وغیرہ کا ذکر ہے اور ان سب میں یتفکرون، یذکرون اور یعقلون کے ذریعہ غور و فکر کی دعوت ہے۔ اس غور و فکر کا عام فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ کی ہستی و وحدانیت پر دلیل قائم ہوتی۔ اللہ کی عظمت اور اس کی قدرت کی نشانی ظاہر ہوتی ہے اور دوسرا خاص فائدہ یہ ہے کہ غور و فکر سے اللہ کی وہ حکمت (مصالح و مقاصد) آشکارا ہوتی ہے جو ابتدائے آفرینش سے کائنات میں ملحوظ ہے اس حکمت کا ظہور ایک دم سے نہیں بلکہ وقت کے دماغی اقتدار کے لحاظ سے بتدریج مطلوب ہے، اسی طرح اس حکمت کا ظہور ہر شخص پر نہیں ہوتا بلکہ درجۂ حکمت پر فائز شخص پر ہوتا ہے جس کی صلاحیتوں میں

اللہ نے وہ خانہ ودیعت کیا ہے جو کائناتی حکمت کے لیے درکار ہے۔ یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ ان آیتوں سے صرف عام فائدہ حاصل کیا جائے اور خاص فائدہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔ کائناتی حکمت کا خزانہ بے حد وحساب اور ایک ناپیدا کنار سمندر ہے بس وقت کے لحاظ سے اپنی اپنی بساط کے مطابق حکیم اس سمندر میں غوطہ زنی کرتا اور گوہر آب دار نکال کر لاتا ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

قل لو کان البحر مدادا لکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مددا۔[1]

آپ کہہ دیجیے کہ اگر میرے رب کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی نشانیوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کے ساتھ اسی کے مانند اور سمندر ملا دیں۔

دوسری جگہ ہے:

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمت اللہ ان اللہ عزیز حکیم[2]

اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر سات مزید سمندروں کے ساتھ روشنائی بن جائیں جب بھی اللہ کی نشانیاں قلم بند نہیں ہو سکتی ہیں۔ بے شک اللہ ہی غالب وحکیم ہے۔

آیتوں سے حاصل شدہ استنباطی علم | کلمت سے مراد اللہ کی قدرت وحکمت کی وہ نشانیاں ہیں جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کائناتی آیتوں میں غور وفکر کی دعوت وتاکید سے قرآن حکیم نے وہ طریقۂ رسائی یا طریقہ علم دیا کہ جس سے استدلال واستنباط (INFERENCE) کا دروازہ کھلا اور وہ علم وجود میں آیا جس کو استنباطی علم کہا جاتا ہے جس میں براہ راست چیزوں کے مشاہدہ سے نہیں بلکہ ماورائے مشاہدہ سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ اس طرح علم کی دو قسمیں بنتی ہیں۔

(۱) وہ علم جو براہ راست چیزوں کے مشاہدہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔

(۲) وہ علم جو ماورائے مشاہدہ اثرات (EFECTS) دیکھ کر حاصل کیا جاتا ہے۔

اس دوسرے علم کی اہمیت پہلے کے مقابلہ میں کم نہیں ہے کہ اسی پر نمو، وارتقاء کا مدار ہے جدید دور میں نہ معلوم کتنی حقیقتیں ہیں جو اس علم کے ذریعہ دریافت ہوئی ہیں مثلاً کشش۔ مقناطیسیت۔ جوہری طاقت

---

[1] کہف آیت ۱۰۹ [2] لقمان آیت ۲۷۔

وغیرہ جو براہ راست اگرچہ مشاہدہ میں نہیں آتی ہیں لیکن انسان جن چیزوں کا مشاہدہ و تجربہ کرتا ہے ان کے ذریعہ رسائی حاصل کی جاتی ہے۔

اس طریقۂ علم نے بیشمار ان غیبی حقیقتوں تک پہونچایا جو اگرچہ مشاہدہ میں نہیں آتی ہیں لیکن کائنات میں کارفرما ہیں اسی طرح ان غیبی حقیقتوں تک ایمان کا دروازہ کھولا جو ماورائے کائنات ہیں اور انسان محض اس بنا پر انکار کرتا ہے کہ ان کو اس نے ابھی دیکھا نہیں ہے۔

استنباطی علم کی کرشمہ سازیاں استنباطی علم کی کرشمہ سازیوں کا اندازہ اس وضاحت سے ہوتا ہے۔

"جس زمین پر ہم آباد ہیں یہ ہمارے نظام شمسی کا صرف ایک سیارہ ہے جو سورج کے مقابلہ میں مٹر کے ایک دانہ کے برابر کی بھی حیثیت نہیں رکھتا سورج تو سورج سیارہ مشتری اتنا بڑا ہے کہ اس میں ہماری جیسی ایک ہزار سے زیادہ زمینیں سما سکتی ہیں پھر آسمان پر جو چھوٹے چھوٹے تارے دکھائی دیتے ہیں ان میں اکثر سورج کے برابر اور بہت سے خود سورج سے اتنے بڑے ہیں کہ ان میں دس ہزار سورج سما سکتے ہیں تارے وہ کہلاتے ہیں جو خود بخود روشن ہیں یعنی جو اس وقت جلتی ہوئی گیس کی حالت میں پائے جاتے ہیں باقی جو ٹھنڈے ہو چکے ہیں جیسے ہماری زمین اور مریخ وغیرہ وہ سیارے کہے جاتے ہیں اس وقت تک کے معلوم و مشہور سیاروں کی تعداد نو ہے ان میں سے بعض سیاروں کے ساتھ ان کے توابع یعنی چاند بھی پائے جاتے ہیں۔ زمین کے ساتھ ایک چاند ہے مریخ کے ساتھ دو اور زحل کے ساتھ نو۔ سورج بھی درحقیقت ایک تارہ ہی ہے جو مختلف عناصر لوہے، المونیم جست نکل وغیرہ کے جلتے ہوئے بخارات یا گیسوں کا بہت بڑا کرہ ہے اس سے آنے والی روشنی زمین تک آٹھ منٹ میں پہونچتی ہے، روشنی سے مراد فی ثانیہ (سکنڈ) ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔

یہ صرف ایک عالم یا ہمارا عالم ہے اس کے علاوہ بکثرت ایسے عالم پائے جاتے ہیں جو ہمارے اس عالم سے بالکل باہر نہایت دور دراز فاصلوں پر واقع ہیں۔ ان ہزاروں ہزار عالموں میں ہر ایک اتنا ہی عظیم الشان ہے جتنا کہ یہ ہمارا عالم۔ جدید فلکیات نے ہماری نظر کو بہت وسیع کر دیا ہے یہی نہیں کہ اس عالم یا کائنات سے متعلق ہمارا علم و تصور مسلسل وسیع

ہوتا جارہا ہے بلکہ خود پوری کائنات بجائے خود بھی روز بروز وسیع تر ہوتی یا پھیلتی جارہی ہے جن بعید ترین اجرام سماوی کو ہم موجودہ بڑی سے بڑی دوربین سے دیکھ سکتے ہیں وہ بھی اتنے بعید فاصلہ پر واقع ہیں کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی ثانیہ (سکنڈ) کی رفتار سے حرکت کرنے والی روشنی کو ان اجرام سے ہم تک آنے میں ایک سو چالیس ملین (چودہ کروڑ) سال لگ جاتے ہیں سب سے قریب چاند ہے وہ بھی دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔

سورج تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔

"ہم سے قریب ترین ستارہ بھی اتنی دور ہے کہ اس کی روشنی ہم تک آنے میں چار سال لگ جاتے ہیں حالانکہ روشنی ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔"

"اجرام سماوی میں سب سے قریب ہمارے علم و مشاہدہ کے لیے نظام شمسی ہے اس کے بعد چند ہزار ملین روشنی کے سالوں تک علمائے فلکیات کا سائنسی مشاہدہ و مطالعہ اور کام دیتا ہے پھر آگے روشنی اور ریڈیو کی لہریں اتنی کمزور ہو جاتی ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ اب آگے کیا ہے"[۱]

کرشمہ سازیاں حکمت پر مبنی ہیں پھر یہ نظام شمسی اس قدر منظم و مربوط اور حکمت پر مبنی ہے کہ اگر اس میں معمولی بھی تبدیلی ہوئی تو کائنات کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے مثلاً زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہے فرض کیجیے کہ اگر یہ رفتار ایک ہزار کے بجائے ایک سو میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن و رات دس گنا زیادہ لمبے ہو جائیں پھر زمین کی سبزیاں اور فصلیں مسلسل دھوپ میں جھلس جائیں اور جو بچ رہیں وہ لمبی رات میں پالے کی وجہ سے ختم ہو جائیں۔

سورج اپنے محور پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ سے دہک رہا ہے یہ حرارت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ بھی اس کے سامنے جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائیں لیکن وہ زمین سے اتنے مناسب فاصلے پر ہے کہ بس ضرورت سے زیادہ گرمی نہ دے سکے بالفرض اگر سورج دگنے فاصلہ پر ہو جائے تو زمین پر سردی کی وجہ سے سب لوگ جم کر برف ہو جائیں اور اگر آدھے فاصلہ پر سورج آجائے تو زمین پر اتنی حرارت پیدا ہو جائے کہ تمام پودے و جاندار جل بھن کر خاک ہو جائیں۔

چاند ڈھائی لاکھ میل کے فاصلہ پر ہونے کے بجائے صرف پچاس ہزار میل دور ہو جائے تو سمندروں میں

---

[۱] مولانا عبدالباری ندوی۔ مذہب و سائنس صفحہ ۶۸، ۶۹، ۷۱۔

مدوجزر کی لہریں اتنی بلند ہوں کہ کرۂ زمین دن میں دو مرتبہ پانی میں ڈوب جائے اور موجوں کے ٹکرانے سے بڑے بڑے پہاڑ ختم ہو جائیں۔

سورج اپنی غیر معمولی کشش سے زمین کو کھینچ رہا ہے اور زمین ایک مرکز گریز قوت (centrifugal Force) کے ذریعہ اس کی طرف کھینچ جانے سے روکے ہوئے ہے بالفرض کسی دن زمین کی یہ قوت ختم ہو جائے تو وہ تقریباً چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف کھینچنا شروع ہو جائے گی اور چند ہفتوں میں سورج کے اندر اس طرح جا گرے گی کہ جیسے کسی بہت بڑے الاؤ میں کوئی معمولی چیز گر جائے۔

کرۂ زمین ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتا ہوا ایک طرف جھکا ہوا ہے (فضا میں سیدھا کھڑا نہیں ہے) یہ جھکاؤ موسم کے لیے ہے اور اس کے نتیجہ میں زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ آبادکاری کے قابل بنتا ہے اور اس سے مختلف قسم کے نباتات اور پیداوار حاصل ہوتی ہیں اگر یہ جھکاؤ نہ ہو تو سمندر سے اٹھے ہوئے بخارات سیدھے شمال یا جنوب کی جانب چلے جائیں اور ہمارے برّ اعظم برف سے ڈھک جائیں۔

<u>کرشمہ سازیاں کسی دائرہ میں محدود نہیں ہیں</u> استنباطی کرشمہ سازیاں کسی ایک دائرہ میں محدود نہیں ہیں بلکہ کائنات کے ہر گوشہ اور ہر دائرہ میں موجود ہیں قرآن حکیم نے "آلاء" مختلف مواقع پر استعمال کیا ہے اور شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر میں "التذکیر بآلاء اللہ" کا مستقل باب باندھا ہے جس کے معنی عام طور پر نعمتوں کے کیے جاتے ہیں لیکن علامہ عبد الحمیدؒ فراہی نے اس لفظ کی جو تحقیق کی ہے اور ثبوت میں کلام عرب کے شعراء کے جو تائیدی شواہد پیش کیے ہیں ان سے یہ لفظ زیادہ وسیع اور جامع قرار پاتا ہے اور اس کے اصل معنی کرشموں، کارناموں، عجائب قدرت و آثار حکمت کے ہوتے ہیں نعمتوں کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

الآلاء اجمعوا علی ان معناھا النعم ولکن القرآن	لوگوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ آلاء کے معنی نعمتوں کے ہیں
واشعار العرب یاباہ والظاہر ان معناہ افعال	لیکن قرآن اور کلام عرب سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے
العجیبۃ فارسیتہ کرشمہ لما کان غالب فعالہ	ان سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے معنی عجیب
تعالیٰ الرحمۃ ظنوا ان الآلاء ھی النعم۔ لہ	کام کے ہیں جس کی فارسی کرشمہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اکثر

لہ عبد الحمید فراہی مفردات القرآن۔

کام رحمت کے ہیں جس سے لوگوں نے سمجھا کہ آلاء کے معنی نعمت کے ہیں۔

پھر کائنات سے متعلق مختلف آیتوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں تخلیق کائنات جمادات، نباتات حیوانات وغیرہ ہر ایک کا نہ صرف ذکر موجود ہے بلکہ ان میں غور و فکر کی دعوت بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبعیات حیاتیات ارضیات فلکیات وغیرہ کے علوم جن تک رسائی جدید دنیا کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے ان سب کی "پود" ہدایت الٰہی کی لگائی ہوئی ہے۔

کرشمہ سازیاں ہر دائرہ کے ظاہر و باطن دونوں میں ہیں | قرآن حکیم نے کائناتی نعمتوں کے صرف ظاہر کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کی باطنی حقیقتوں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ

الم تروا ان اللّٰہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ[1]	کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کی ہیں۔

اسباغ کے اصل معنی وسیع اور کشادہ کرنے کے ہیں یہ وسعت و کشادگی باطنی حقیقتوں کی دریافت اور ان تک رسائی ہی سے پوری ہوتی ہے۔

کرشمہ سازیاں اللہ کی طرف سے نفع رسانی کے لیے ہیں | کائنات میں جس قدر کرشمہ سازیاں ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ مقرر کردہ اور انسان کی نفع رسانی کے لیے ہیں نہ کہ ہلاکت و بربادی کے لیے۔

ذلک تقدیر العزیز العلیم۔[2]	یہ سب اللہ عزیز و علیم کی منصوبہ بندی ہے۔
الا تطغوا فی المیزان واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان[3]	تم بھی میزان میں تجاوز نہ کرو اور ٹھیک تولو پورے انصاف کے ساتھ اور وزن میں کمی نہ کرو۔

کائنات سے متعلق جس قدر آیتیں وہ بالعموم لام کے ساتھ ہیں جو نفع کے لیے آتا ہے۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔[4]	اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔
وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ۔[5]	اللہ ہی نے تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے ان چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب کو اپنی طرف سے۔

---

[1] لقمان آیت ۲۰۔ [2] یٰسٓ آیت ۳۸۔ [3] رحمان آیت ۹ و ۱۰۔ [4] بقرہ آیت ۲۹۔
[5] جاثیہ آیت ۱۳۔

مطالعۂ کائنات نوری پیکر کے جلو میں مطلوب ہے | کائنات کا مطالعہ اسی روشنی میں جو اللہ نے روشن کیا ہے اور اسی نوری پیکر کے جلو میں جو ہدایت الٰہی نے تیار کیا ہے ہلاکت و بربادی سے محفوظ رکھتا ہے۔

فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا۔[۱] اللہ پر ایمان لاؤ اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ۔[۲] آپ کہہ دیجئے، میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کی خاطر دو دو ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو تمہارے ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے۔

یہ نوری پیکر ہر نبیؑ اور اس کی لائی ہوئی ہدایت نے تیار کیا لیکن اس پر بھی کا اتفاق ہے کہ وہ اصلی شکل میں محفوظ نہیں رہا صرف قرآن ہی ایسا ہدایت نامہ ہے جو کامل و جامع شکل میں خود بھی محفوظ اور اس میں یہ نوری پیکر بھی محفوظ ہے جس کے جلو میں کائنات کا مطالعہ مطلوب ہے کہ اس کے بغیر ہلاکت و بربادی سے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں۔

---

[۱] تغابن آیت ۵ [۲] سبا، آیت ۴۶۔

مکمّل لغات القرآن

چھ جلدوں میں

قرآن کریم کے الفاظ کی شرح اور اس کے معانی و مطالب کے حل کرنے اور سمجھنے کے لئے اُردو میں اس سے بہتر اور جامع کوئی لغت آجتک شائع نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور دل پذیر تشریح کے ساتھ تمام متعلقہ بحثوں کی تفصیل بھی ہے۔ ایک مدرس اس کتاب کو پڑھکر قرآن مجید کا بہترین درس دے سکتا ہے اور ایک عام اُردو خواں اس کے مطالعہ سے نہ صرف قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے۔ بلکہ اس کے مضامین کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اہل علم و تحقیق کے لئے اس کے علمی مباحث لائق مطالعہ ہیں۔ "لغات قرآن" کے ساتھ الفاظ قرآن کی مکمل اور آسان فہرست بھی دی گئی ہے، جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے بڑی سہولت سے نکالے جا سکتے ہیں۔ "مکمل لغات القرآن" اپنے انداز کی لاجواب کتاب ہے جس کے بعد اس موضوع پر کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جلد اوّل	صفحات ۳۳۴	بڑی تقطیع	غیر مجلد	۲۰	روپے
			مجلد	۳۰	روپے
جلد دوم	″ ۳۳۶	″	غیر مجلد	۲۵	روپے
			مجلد	۳۵	روپے
جلد سوم	″ ۳۳۲	″	غیر مجلد	۳۵	روپے
			مجلد	۴۵	روپے
جلد چہارم	″ ۳۸۶	″	غیر مجلد	۲۷	روپے
			مجلد	۳۷	روپے
جلد پنجم	″ ۵۰۰	″	غیر مجلد	۳۰	روپے
			مجلد	۴۰	روپے
جلد ششم	″ ۲۲۴	″	غیر مجلد	۲۳	روپے
			مجلد	۳۳	روپے

(پوری کتاب کے مجموعی صفحات ۲۲۱۲)